امام احمد رضا

اور فقہی ضوابط کی تدوین

از

سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی
صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

ناشر مکتبہ عزیزیہ عزیز نگر مبارک پور

امام احمد رضا اور فقہی ضوابط کی تدوین

تحریر: سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی، برکاتی
صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ ، مبارک پور
ضخامت: ۷۶ - صفحے
تزئین کار: محمد زاہد اختر مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور
ناشر: مکتبہ عزیزیہ، عزیز نگر، مبارک پور اعظم گڑھ 276404

Publisher:
Maktaba Azizia,
Aziz Nagar, Mubarakpur Azamgarh u.p
Pine:276404
Contact:8604557108
Email:mdzahidakhtar4@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین ٥ والصلاۃ والسلام علی حبیبہٖ سید المرسلین٥
وعلی آلہٖ وأصحابہٖ وفقھاء ملتہٖ أجمعین.

فقیہ فقید المثال اعلی حضرت، عظیم البرکت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی عظیم کتاب **"فتاوی رضویہ"** نبوی انعامات وعلوم کا بیش بہا مجموعہ ہے، جس میں تحقیقات کے بے شمار موتی بکھرے ہوئے ہیں اور وہ مختلف انواع کے ہیں۔ انھیں میں سے کچھ گوہر نایاب فقہ حنیف کے وہ ضابطے بھی ہیں جن کو اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی خداداد ذہانت سے وضع فرمایا ہے۔

فتاوی رضویہ میں تین طرح کے ضوابط[1] پائے جاتے ہیں:

(۱) وہ ضوابط جو ائمہ مذہب یا فقہاے حنفیہ نے بیان فرمائے۔ یہ ضابطے دو طرح کے ہیں:

☆ کچھ تو معروف ضوابط ہیں جنہیں اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ جیسے: "إنما الأعمال بالنیات"۔

☆ اور کچھ وہ ہیں جنہیں اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے بیان کی جدت وجودت کے ذریعہ ضابطے کی شکل دے دی ہے حالاں کہ وہ اجلہ فقہا کے ہی کلمات کی تعبیر ہیں۔ ہم باب سوم میں اس نوع کے کچھ ضابطے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالی

(۲) وہ ضوابط جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے نصوص سے ماخوذ ہیں ان کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ ہم حصول برکت کے لیے، نمونے کے طور پر اس مقالے

(۱) اس مقالہ میں اسم جلالت "اللہ" کے عدد کے مطابق ۶۶ر فقہی ضابطے جمع کیے گئے ہیں اور بھی بہت ضابطے باقی ہیں۔ محمد نظام الدین رضوی، برکاتی

میں اس نوع کے دو ضابطے شامل کر رہے ہیں۔

(۳) وہ ضوابط جن کے وضع کرنے کا سہرا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے سر ہے۔ یہ آپ کی تحقیقات کا وہ نقش زریں ہے جس کی طرف شاید ابھی تک اہل علم کی توجہ نہ ہوسکی۔ میں ایک بے بضاعت طالبِ علم ہوں، ایسے عظیم کام کے لیے کیا ہمت کرتا مگر اللہ تعالی کا کرم شامل حال ہو تو ایک ذرۂ بے مقدار بھی کوئی کار اہم انجام دے سکتا ہے تو بس اسی کی ذات پر بھروسہ کر کے اور اسی کے ذکر کا توشہ لے کر ترتیبِ ضوابط کا سفر شروع کرتا ہوں۔

یہ اداس راہ منزل، یہ مری شکستہ پائی
میں تو تھک کے بیٹھ جاتا تری یاد کام آئی

میرا مقصود اس اہم گوشے کے کچھ نمونوں کے ذریعہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی بے مثال فقاہت کا مشاہدہ کرانا ہے اور اس کی تکمیل کاملانِ فن کے حوالے ہے۔

فقہی ضابطے دو طرح کے ہیں:

(۱) کچھ تو وہ ہیں جن کو وضع کرنا مجتہد مطلق کی ہی شان ہے۔ یہ وہ ضابطے ہیں جو اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلا: ● خاص، عام مشترک، مؤول ● ظاہر، نص، مفسر، محکم ● خفی، مشکل، مجمل، متشابہ ● حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ ● عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص ● اداے کامل، اداے قاصر ● قضا بہ مثل معقول، قضا بہ مثل غیر معقول ● حسن لعینہ، حسن لغیرہ ● قبیح لعینہ، قبیح لغیرہ ● حقیقت متعذرہ، حقیقت مہجورہ، حقیقت مستعملہ ● مہجورہ شرعیہ، مہجورہ عادیہ ● عزیمت، رخصت وغیرہ۔

کتاب و سنت کے نصوص کو سامنے رکھ کر تدبر قرآن کے لیے یہ جداگانہ ضابطے مقرر کرنا اور ان کے احکام متعیّن کرنا، پھر اس امر کا اذعان وایقان کہ نصوص کتاب و سنت سے سمجھے جانے والے یہ احکام اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مراد و منشا کے مطابق ہیں یہ ایسے نادر الوجود علماے کاملین کے شایان شان ہے

جنھیں اللہ تعالی نے فقاہت عظمیٰ کے منصب پر فائز کیا ہے۔

یہ ضوابط در حقیقت قرآن فہمی و مراد رسی کے ضوابط ہیں جن کو شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے بیان نہیں فرمایا لیکن اللہ تعالی نے کچھ ایسے عبقری اور باکمال فقہا پیدا فرمائے جنھوں نے اپنی خدا داد قوتِ فہم و تدبر سے ایسے قوانین و ضوابط وضع فرما دیے جن سے کتاب و سنت کی استدلالی حیثیت متعیّن ہو کر سامنے آجاتی ہے اور سرکار ابد قرار ﷺ نے اس پر اجر کی بشارت بھی دی ہے۔

ایسے فقہا میں سر فہرست نام ہے سراج الامہ، کاشف الغُمہ، امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالی عنہ کا، آپ نے سب سے پہلے "وحیِ متلو" کے فہم و تدبر اور مراد رسی کے ضابطے وضع فرما کر تمام مراحل حیات کے احکام مرتب فرمائے، ان احکام کو "فقہ حنفی" اور ضوابط و دلائل کو "اصولِ فقہِ حنفی" سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اب ایسے فقہا نہیں پائے جاتے۔

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

(۲) اور کچھ ایسے ضابطے ہیں جو مجتہد مطلق کے ساتھ خاص نہیں۔ یہ فقہاے ممیّزین و مُرجحین کی جولان گاہ ہیں۔ یہ فقہا مذہب کے کثیر جزئیات، فروع، تخریجات اور اطلاقات و قیود اور ان کے دلائلِ ترجیح و تصحیح کو سامنے رکھ کر ایسا ضابطہ وضع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے دامن میں وہ تمام جزئیات و فروع اور تخریجات و اطلاقات و قیود سمٹ آئیں۔

اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اسی نوع کے ضابطے وضع کیے ہیں مگر یہ ضابطے وضع کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں، بلکہ یہ ایسے جلیل الشان، فقیہ عبقری کا کام ہے

- جس کی نظر فقہ کے اصول و فروع اور جزئیات و تخریجات اور اطلاقات و قیود پر بہت وسیع ہو،
- ساتھ ہی بہت دقیق اور گہری ہو۔

● ان جزئیات وفروع میں کون مطلق ہے اور کون مقید، کون مجمل ہے اور کون مبیّن۔ کون قول ہے اور کون روایت، کون اَحوط ہے اور کون اَوسع، سب سے باخبر ہو۔

● ایک مسئلے میں کئی قول ہوں، یا ایک ہی قول میں کئی احتمالات ہوں تو وہاں کون سا قول یا احتمال مذہب میں مقبول ہے اور کون سا قول یا احتمال نامقبول، اس سے پوری طرح واقف ہو۔

● کسی مسئلے میں ائمہ مذہب کے کتنے اقوال ہیں، کیا کیا روایتیں ہیں، پھر ان سے تخریجات کیا کیا ہوئی ہیں، پھر عرف وتعامل وغیرہ کے بدلنے سے ان پر اثرات کیا پڑے ہیں، حالات زمانہ کے پیش نظر ان میں تغیرات کیا آئے ہیں، جس وقت ائمہ مذہب یا مشائخ مذہب نے وہ حکم دیا اس وقت حالات زمانہ کیا تھے اور اب کیا ہیں ان سب پر نگاہ رکھتا ہو۔

● پھر یہ جتنے بھی اقوال، احتمالات اور بدلے ہوئے احکام ہیں سب کے موافق ومخالف دلائل سے آگاہ ہو۔ ساتھ ہی دلائل کے درمیان مختلف حیثیتوں سے محاکمہ کر کے کوئی صحیح فیصلہ کرنے پر قادر ہو، یا کم از کم اسے اقوال ودلائل کے مابین یہ امتیاز حاصل ہو کہ کون قوی ہے اور کون ضعیف۔ جب فقیہ ایسے اوصاف کا جامع ہو تو وہ جزئیات کو سامنے رکھ کر ضابطہ وضع کرنے کی ہمت کرتا ہے۔ بلکہ ضابطے وضع بھی کرتا ہے۔

اب یہ فقہا بھی **کئی درجات** کے ہیں ● جن میں یہ اوصاف کچھ کمی کے ساتھ پائے جاتے ہیں ان کے ضابطے عموماً غیر جامع ہوتے ہیں، یا اعتراضات سے محفوظ نہیں رہ پاتے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی اس کوشش پر بارگاہ الٰہی سے اجر کے حقدار ہوتے ہیں۔ ● اور جن فقہا میں یہ اوصاف پورے طور پر پائے جاتے ہیں ان کے ضابطے عموماً جامع اور نقد ونظر سے سالم ومحفوظ ہوتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فقہا کے اسی آخری طبقے سے ہیں۔ آپ نے فتاویٰ رضویہ میں خود اپنے پیش رو فقہا کے ضوابط نقل کر کے یہ عیاں

کردیا ہے کہ ان پر کئی طرح سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پھر آپ وہ **ضابطہ جامعہ** بیان فرماتے ہیں جو ان تمام اعتراضات سے محفوظ اور بالکل بے غبار ہوتا ہے۔ وقت میں گنجائش ہوتی تو ہم ایسے تمام ضابطے نقل کرتے، پھر ان تمام امور پر روشنی ڈالتے۔ مگر اب صرف چند نمونے بلا تبصرہ نقل کرنے پر قناعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے توفیقِ صواب کی امید رکھتے ہیں۔

منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منّت ازو شناس کہ بخدمت گزاشتت

یہ ضابطے دو نوع کے ہیں:

☆ دلائل فقہ کے زمرے کے ضابطے،

☆ جزئیات وفروع کو ایک لڑی میں پرونے والے ضابطے،

☆ اور ایک نوع: فقہا سے منقول ضابطے۔

اب ہم ان ضوابط کو اسی ترتیب سے تین ابواب میں بیان کرتے ہیں:

پہلا باب

دلائل فقہ کے زمرے کے ضابطے

فقہ کے دلائل چار ہیں:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع امت (۴) قیاس - اور (۵) عرف و (۶) تعامل و (۷) توارث بھی بعض احوال میں دلائل فقہ سے شمار ہوتے ہیں، آنے والے ضوابط کا تعلق انھی دلائل سے ہے۔

ضابطہ (۱): قرآن مجید نے مذہب اسلام کی بنیاد صرف انھیں احکام پر نہیں رکھی جن کا خاص بیان قرآن مجید میں آچکا، بلکہ خود قرآن مجید نے اپنے احکام اور نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشادات دونوں پر بنائے اسلام رکھی ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ[۱]

جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لو، اور جس سے روکے اس سے بچو۔

اور فرماتا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ[۲]

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اور فرماتا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴[۳]

یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ صرف خدا کا حکم ہے جو اسے بھیجا جاتا ہے۔[۴]

(۱) القرآن الحکیم، الحشر: ۵۹، آیت: ۷۔

(۲) القرآن الحکیم، النساء: ۴، آیت: ۸۰۔

(۳) القرآن الحکیم، النجم: ۵۳، آیت: ۳، ۴۔

(۴) رسالہ: أنفَس الفِکر فی قربان البقر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۱۱، ص: ۶۱۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

ضابطہ (۲): (الف) ایمان نہ ہو تو تعظیم رسول کارآمد نہیں، اور رسول کی سچی تعظیم نہ ہو تو ساری عبادت مردود ہے۔

(ب) حضور سید عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم مدار ایمان، ومدارِ نجات ومدارِ قبولِ اعمال ہے۔ (ضابطہ ایک ہے تعبیرات الگ الگ ہیں)

اعلی حضرت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

رب عزوجل فرماتا ہے: اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ۙ﴿۸﴾ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ﴿۹﴾ [1]

اے نبی بے شک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔

مسلمانو! دیکھو دین اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے، کا مقصود ہی تمھارا مولی تبارک وتعالی تین باتیں بتاتا ہے:

اول یہ کہ اللہ ورسول پر ایمان لائیں۔

دوم یہ کہ رسول اللہ کی تعظیم کریں۔

سوم یہ کہ اللہ تبارک وتعالی کی عبادت میں رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو، سب میں پہلے ایمان کو ذکر فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم کو، اس لئے کہ بغیر ایمان، تعظیم بکارآمد نہیں۔ بہتیرے نصاری ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر سے دفعِ اعتراضاتِ کافرانِ لئیم میں تصنیفیں کر چکے، لکچر دے چکے مگر جب کہ ایمان نہ لائے، کچھ مفید نہیں کہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے۔ پھر جب تک نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عبادت الٰہی میں

---

(۱) القرآن الحکیم، الفتح: ۴۸ آیت: ۸و۹۔

گزرے، سب بے کار و مردود ہے۔

بہتیرے جوگی اور راہب ترک دنیا کرکے، اپنے طور پر ذکر و عبادت الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں، کہ لا إلہ إلا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں مگر جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم نہیں، کیا فائدہ؟ اصلاً قابلِ قبولِ بارگاہ الٰہی نہیں، اللہ عزوجل ایسوں ہی کو فرماتا ہے:

"وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝۲۳"(۱)

جو کچھ اعمال انہوں نے کیے تھے، ہم نے سب برباد کردیے۔

ایسوں ہی کو فرماتا ہے:

"عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴"(۲)

عمل کریں، مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہوگا؟ یہ کہ بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالی۔

مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم، مدارِ ایمان و مدارِ نجات و مدارِ قبولِ اعمال ہوئی یا نہیں؟۔ کہو ہوئی اور ضرور ہوئی!(۳) ☆

ضابطہ (۳): جب دو فرائض وقتِ واحد میں شخصِ واحد پر شرعاً لازم ہوں اور ان میں سے ایک اعلیٰ ہو اور دوسرا ادنیٰ، تو پہلے اعلیٰ کو ادا کریں پھر ادنیٰ کو کہ اعلیٰ اَولی و راجح ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، الفرقان:۲۵، آیت:۲۳۔

(۲) القرآن الحکیم، الغاشیہ:۸۸، آیت:۳و۴۔

(۳) رسالہ: تمہید ایمان بآیات قرآن، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۱۸، ص:۲۸۶، ۲۸۷، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

وص:۱۲، ۱۳، مطبوعہ: رضائے خواجہ پبلیکیشن، اجمیر شریف۔

☆ یہ دونوں (۱، ۲) ضابطے کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں ہم نے حصول برکت کے لیے ان ضابطوں سے اپنے مقصود کا آغاز کیا ہے، ساتھ ہی اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس نوع کے ضابطے اسی طرح کے ہیں۔ کوئی عالم ان ضابطوں کو جمع کرنا چاہیں تو یہ مثالیں ان کے لیے مشعل راہ ہوں گی۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

یہ ضابطہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے درج ذیل اشعار نعت میں بیان کیا ہے، آپ گویا ہیں:

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلی خطر کی ہے

صدیق بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان، فروض غرر کی ہے

ہاں تو نے اِن کو جان، اُنہیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے(1)

یہاں اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے پہلے دو طرح کے فرائض کا ذکر کیا ہے
ایک: جان کی حفاظت کا فرض، جو حقوق العباد سے ہے،
دوسرے: نماز عصر کی حفاظت کا فرض، جو حقوق اللہ سے ہے اور یہ نماز تمام نمازوں میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔
ارشاد باری ہے: ”حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ق“(۲)
نمازوں کی حفاظت کرو خاص کر نماز عصر کی۔
مگر ان دونوں سے بڑا فرض محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جس کا مرتبہ جان کی حفاظت سے بھی اعلی ہے اور عصر جیسی اہم ترین نماز سے بھی۔
غار ثور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ پر ایک ساتھ دو فرائض

---

(۱) حدائق بخشش، ص:۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، مکتبۃ المدینہ۔

(۲) القرآن الحکیم، البقرۃ:۲، آیت:۲۳۸۔

لازم ہو گئے تھے ایک :جان کی حفاظت، دوسرے: تعظیم رسول۔ آپ نے تعظیم رسالت کے فرض کو ترجیح دی کیوں کہ وہ اپنی جان کی حفاظت کے فرض سے اعلی تھا اور مولائے کائنات علی مرتضی رضِی اللہ تعالی عنہ کے ذمہ بھی مقام صہبا میں دو فرائض لازم ہو گئے تھے۔ ایک: نماز عصر کی حفاظت، اور دوسرے: تعظیم رسول۔ تعظیم رسول کا فریضہ اعلی واولی تھا اس لیے آپ نے اسے ترجیح دی۔

عرف اور تعامل کے حجت ہونے کے سلسلے میں فقہی ضابطے

اس امر پر علمائے سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کا عرف اور تعامل حجت ہے مگر ● کیا یہ حدیث نبوی کی طرح حجت ہے؟ ● یا اجماع امت کی طرح حجت ہے؟ ● یا اجماع کے قائم مقام ہے؟ ● یا اس کا درجہ ان تینوں سے فروتر ہے؟ اس بارے میں کوئی اطمینان بخش بات فقہا وعلما کے کلام میں نہیں ملتی۔

اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں ”الأشباہ والنظائر“ اور ”ردالمحتار علی الدر المختار“ کی بحثوں کا مطالعہ کرتا تھا لیکن اضطراب دور نہ ہو سکا اور ایسی جامع گفتگو نہیں مل سکی جو تمام ضروری گوشوں کا احاطہ کرتی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک زمانے سے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی کتاب ”نشر العرف فی أحکام العرف“ کی دید کا مشتاق تھا۔ جب اس کے مطالعہ کا موقع ملا تو محسوس ہوا کہ یہ بھی کافی وشافی نہیں ہے۔ پھر خدائے ذوالجلال کے لطف خاص سے مجھے اس بارے میں شرح صدر حاصل ہوا اور میں نے عرف وتعامل کے مدارج متعیّن کر کے ہر ایک کے احکام تحریر کیے۔

آپ نے اپنی تحقیق کے اخیر میں یہ انکشاف فرمایا ہے جو آپ کے اصل کلمات میں اس طرح ہے۔

یہ ہے بحمد اللہ ومَنِّہ وکبیر لطفہ وکرمہ وہ تحریر مسئلہ جسے تمام کلمات علمائے کرام کا عطر ومحصل کہیے اور بفضلہ تعالی کسی تقریر وتاصیل وتفریع کو اس کے مخالف نہ دیکھیے:

وقد كنت أرى في الباب مباحث "الأشباه" وكلمات "ردالمحتار" من مواضع عديدة فلا أجد فيها مايفيد الضبط ويزول به الاضطراب والخبط، وكان العلامة الشامي كثيرا مايحيل المسئلة على رسالته "نشر العَرف" فكنت تواقا إليها مثل جميل إلى بُثَيْنَة، فلما رأيتها وجدتها أيضالم يتحرر لها مايكفي ويشفي ولم يتخلص فيها ماترتبط به الفروع وتاخذ كلمات الأئمة بعضها حجز بعض ولكن ببركة مطالعتها في تلك الجلسة فتح -(۱)

(ترجمہ: میں اس مسئلہ میں "اشباہ" کی بحثوں اور متعدّد مقامات سے "ردالمحتار" کے کلمات دیکھتا تو ان میں کوئی ایسی جامع بات نہیں ملتی جو عرف کی تمام صورتوں کو سمیٹ سکے اور ان کے درمیان بظاہر جو اضطراب وانتشار ہے وہ دور ہو جائے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زیادہ تر اپنے رسالہ "نشر العَرف" کے حوالے دیتے اس لیے میں اس کی زیارت کا شدید مشتاق تھا جیسے جمیل، بُثینہ کا۔ پھر میں نے جب وہ رسالہ دیکھا تو محسوس ہوا کہ اس میں بھی مسائل عرف کی تنقیح کافی وشافی طور پر نہیں ہے اور اس میں کوئی ایسا واضح ضابطہ نہیں ہے جس سے فروع اور کلماتِ ائمہ میں ربط و تطبیق پیدا ہو سکے۔ ہاں اس رسالے کے مطالعے کی برکت سے اسی نشست میں خدائے فتاح کی طرف سے قلب فقیر پر ایسے ضابطے عیاں ہو گئے جو مسائل عرف کے جامع اور کافی و شافی تھے۔ (نظام)

اب ہم آپ کی تحقیقات کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں، پھر آپ کے اصل کلمات بھی ہدیہ ناظرین کریں گے۔

عرف اور تعامل چار طرح کے ہیں اور چاروں الگ الگ بجائے خود ایک فقہی ضابطہ ہیں۔

ضابطہ (۴): وہ عرف جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ

---

(۱) ● رسالہ: المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۸، ص:۲۱۴، مطبوعہ سنی دار الاشاعت الاشاعت، مبارک پور ● ایضاً، ج:۱۴، ص:۲۹۶، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

مبارک سے موجود ہو۔ یہ حدیثِ مرفوع تقریری کے حکم میں ہے، جیسے: بیعِ سَلَم، بیع استصناع، عقدِ مضارَبت۔

ضابطہ (۵): وہ عرف جو ساری دنیا کے تمام مسلمانوں کا ہو۔ یہ اجماع امت ہے، جو حجت شرعی ہے۔

ضابطہ (٦): تمام بلادعالم کے اکثر مسلمانوں کا عرف ہو۔ یہ اجماع کے قائم مقام ہے اور امت کے سواد اعظم کا مذہب، جس کے اتباع کا حکم احادیث کثیرہ میں دیا گیاہے۔

ضابطہ (۷): کسی ملک یا صوبے کے اکثر مسلمانوں کا عرفِ حادث ہو جو عہد رسالت کے بعد کبھی وجود میں آیا ہو۔ یہ عرف بھی حجت ہے مگر پہلے کے تینوں عرف وتعامل کے مقابل کمزور درجہ کا ہے۔ یہ حدیث یا اجماع یا سواد اعظم کے مقابل ہو تو ترجیح حدیث، اجماع اور سواد اعظم کو ہوگی۔ اور اگر یہ قیاس کے مقابل ہو تو قیاس پر راجح ہوگا۔ اور حدیث کے لفظ عام میں اس کی وجہ سے تخصیص ہوجائے گی۔

فصول البدائع میں ہے:

لو ندر المخالف مع كثرة المتفقين كان قول الأكثر حجة وإن لم يكن إجماعا.

اکثر کا اتفاق ہو اور بعض کا خلاف تو اکثر کا قول حجت ہوگا، اگرچہ وہ اجماع نہ ہوگا۔

ارشادِ رسالت ہے:

* علَيكم بالجماعة والعامّة.

تم پر جماعت اور عامہ ٔامت کا اتباع لازم ہے۔ (۱)

* اتّبعُوا السِّوادَ الأعظَمَ.

سواد اعظم یعنی بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ (۱)

---

(۱) یہ حدیث صحابیِ رسول حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص:۱۸۲، الترغیب والترہیب، ص:۱۷٦، ج:۱، مجمع الزوائد، ص:۲۲۲، ج:۵ و ص:۲٦، ج:۲۔

* ید اللہ علی الجماعۃ.

اللہ کا دستِ رحمت جماعت پر ہے۔[۳]

پہلے والے تینوں عرف و تعامل دلائلِ مطلقہ ہیں جو ہر حال میں مضبوط دلائل کا درجہ رکھتے ہیں اور نص شرعی کے مقابل بھی قابل عمل ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے دلیل ہونے کا مدار یہ نہیں ہے کہ یہ مسلمانوں کے عرف یا تعامل ہیں، بلکہ یہ ہے کہ یہ فی الواقع حدیث رسول ہیں، یا اجماع امت ہیں، یا سواد اعظم کا قول ہے اور حدیث رسول و اجماعِ امت کا دلیل شرعی ہونا مسلّمات سے ہے، آخر بیع سلم، بیع استصناع، اور عقد مضاربت کے جواز میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے، جو اسی طرح کے تعامل یعنی حدیث و اجماع سے ثابت ہیں۔

اس کے بر خلاف چوتھے درجے کا عرف صرف مخصوص حالات میں ہی حجت بنتا ہے اور نص شرعی کتاب و سنت کے مقابل مردود ہوتا ہے کیوں کہ یہ عرف صرف اس لیے حجت بنتا ہے کہ یہ طریق مسلمین ہے، مسلمان اس کے عادی ہو گئے ہیں اور اسے اچھا سمجھتے ہیں، خاص اس طریقے اور عادت کے پس پشت حدیث و اجماع کی قوت نہیں ہوتی، اس لیے یہ حدیث و اجماع کے مقابل مرجوح قرار پائیں گے اور جہاں صرف عرف یا تعامل مسلمین ہی پایا جائے، ان سے قوی تر کوئی دلیل کتاب و سنت سے وہاں موجود نہ ہو، نہ ہی اجماع پایا جائے وہاں ایک دلیل شرعی کی حیثیت سے ان پر عمل ہوگا کہ مسلمانوں کے طریقے اور استحسان کو عمومی طور پر کتاب و سنت میں سراہا گیا ہے اور ان پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔ فقہاے کرام جہاں عرف و تعامل کا لفظ مطلق بولتے ہیں وہاں وہ یہی چوتھے درجے کا عرف و تعامل مراد لیتے ہیں جو صرف

(۲،۳) یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔حِلیۃ الأولیاء لأبی نعیم، ص:۴۲، ج:۳، اور صرف حدیث اخیر حضرت عُمر اور عبد اللہ بن عمر رضِی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے مروی ہے، مجمع الزوائد، ص:۲۲۸، ج:۵، وص:۲۲۱، ج:۵، اور امام نسائی نے یہی حدیث حضرت عرفجہ بن شریح اشجعی رضِی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

عرف و تعامل ہونے کی حیثیت سے ہی حجت ہے۔

اب فتاوی رضویہ کے اصل کلمات ملاحظہ کیجیے:

عرف عام سے ان کی مراد:

(۱) نہ ہرگز مستمر مِن زمنِ رسولِ اللہ ﷺ ہے۔

(۲) نہ عرف محیط اجماعی۔

(۳) نہ عرفِ اکثر مسلمین جملہ بلاد عالم کہ:

اول قطعاً مثلِ نصِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، کہ یہ آپ کی تقریر ہے جس کا درجہ قولِ رسول کا ہے تو اگر نص اس کے خلاف پایا جائے یہ ضرور صالح تعارض ہو گا اور بحالِ تاخیر اسے نسخ کر دے گا۔

اور **دوم** عین اجماع، تو نصِ آحاد (خبر واحد) سے اقویٰ اور قطعاً مُظہِر ناسخ۔ کہ نص غیر منسوخ کے خلاف اجماع محال۔

اور **سوم** کی حجیت مطلقہ، تامّہ، وافیہ پر نصوصِ صریحہ ناطقہ۔ تو اِس کا اضمحلال سواد اعظم کا وقوع فی الضلال۔ اور وہ شرعاً محال ہے۔

بالجملہ مقابلۂ نص (حدیث) میں (عرف کی قسم) ثانی تو قطعاً مضمحل (وکمزور) نہیں۔ اور (عرف کی قسم) اوّل بھی مطلقاً مضمحل نہیں۔ اور (عرف کی قسم) ثالث عند التحقیق ملتحق بالثانی۔ غرض ایسے تعاملات ضرور حُجج مطلقہ ہیں، انھیں مطلقاً مقابل نص مردود نہیں کہہ سکتے۔

اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ عرف و تعامل جس میں ان کا کلام ہے معارضۂ نص کی اصلاً طاقت نہیں رکھتا، جب خلاف کرے گا رد کر دیا جائے گا۔

بالجملہ بہ دلائل قاطعہ واضح ہوا کہ علمائے کرام جس عرفِ عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی (راجح) ہے اور نص اس سے متروک نہ ہو گا، مخصوص ہو سکتا ہے، وہ یہی عرفِ حادث، شائع ہے۔"[1]

---

(۱) ● رسالہ: المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۱۴، ص: ۲۹۱، ۲۹۳، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی (ملتقطا)

عبادات میں عرف وتعامل کے معتبر ہونے، نہ ہونے کے بارے میں فقہی ضابطے

افقہِ امت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس خصوص میں بڑی تحقیقی اور جامع گفتگو فرمائی ہے۔ چند صورتوں کے سوا باقی تمام عبادات میں عرف وتعامل کا اثر پایا جاتا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

ضابطہ (۸): ”عبادت میں وہ امور جن کی طرف عقل کو اِہتدَا نہیں، مثل تعیُّن اوقات وعدد رکعات وترتیبِ افعال ووحدتِ رکوع وتعددِ سجدات اور تحدید نصاب ومصرفِ زکاۃ اور وقت ومکانِ وقوف اور مطاف وعددِ اَشْوَاطِ سعی وطواف وغیرہا قطعاً توقیفی (شریعت کے بتانے پر موقوف) ہیں“۔ (لہذا یہاں عرف وتعامل بے اثر ہے۔ ن، ر)

ضابطہ (۹): یوں ہی وہ اوضاع وہیئات کہ شارع نے ایسے امور میں محدود ومعین فرمائے اور مجملاتِ کتاب کے بیان واقع ہوئے، جن کی تعیین کی طرف اَمثالِ ”صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ.“ (نماز پڑھو جیسا کہ مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ ن۔ر۔) نے ارشاد فرمایا۔ (یہ بھی توقیفی ہیں، جو شریعت کے بتانے سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں، اس لیے ان میں بھی عرف وتعامل کا کوئی دخل نہیں۔ ن، ر)

ضابطہ (۱۰): اسی طرح وہ اَذکار وافعالِ مخصوصہ کہ اوقات خاصّہ پر غایات ومقاصدِ معینہ کے لیے علیٰ وجہِ التعیین مقرر ہوئے اور مکلّفین ان کی طرف مطلقات وعمومات سے دعوت نہ کیے گئے۔ جیسے تکبیر تحریمہ، وتحلیلِ نماز، وتشہد واذان واقامت وغیرہا۔

یہی وہ اشیا ہیں جنھیں ”توقیفی“ کہا جاتا ہے۔ (ان میں عرف وتعامل بے اثر ہوتے ہیں۔ ن، ر)

● ایضاً، ج:۸، ص:۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۴، سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

ضابطہ (۱۱): ان کے سوا باقی تمام امور جن میں نصًّا ودلالۃً شرع مطہر سے تحدید وحظر اور توقیف وحجر ثابت نہیں۔ اگر چہ وہ انھیں توقیفیات سے علاقہ رکھتے ہوں ان میں بھی توقیف (شارع کے بتانے) پر توقُّف نہیں، اگر چہ بوجہ تعلقِ توقیفی، وقوف اولیٰ ہولہذا دعاے قعدۂ اخیرہ صرف الفاظِ وارده پر مقصور نہیں، ہر شخص جو چاہے دعا کر سکتا ہے۔ بعد اس کے کہ کلامِ ناس سے مشابہ نہ ہو۔ اسی طرح عیدین وغیرہا کے خطبے خصوصًا خطبۂ جمعہ کہ شرطِ صحت نماز ہے ان میں الفاظ مرویہ پر اقتصار نہیں۔

یہ صورت چہارم اعنی ''متعلقات'' بلکہ بعض افرادِ صورتِ سوم بھی اَنظارِ مجتہدین کے جولانگاہ ہیں۔ بعض نے ان میں کسی کو قسم اول سے خیال فرمایا اور وقوف لازم ٹھہرایا، اور بعض نے قسم دوم سے سمجھا اور رخصت کا حکم بتایا، ورنہ، نہ قسم اول میں اِرسال واِطلاق معقول، نہ دوم میں، جہاں شرع نے اطلاق کو کام فرمایا تحدید وتقییدنا مقبول۔

ہاں کسی سنتِ ثابتہ کو اٹھادینا، کوئی نیا امر مُزاحم ومُراغِم سنت پیدا کرنا کسی حال روا نہیں۔ (۱)

اس تفصیل سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ عبادات میں جو امور توقیفی نہیں ہیں ان میں عرف ناس معتبر ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ عرف کسی سنتِ ثابتہ کے خلاف نہ ہو۔

حجۃ الخلف، تاج المحققین، علامہ مفتی محمد نقی علی خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب مستطاب ''اصول الرشاد'' میں فرماتے ہیں:

''تعامل جس طرح معاملات میں حجت ہے اسی طرح عبادات میں معتبر ہے کہ لفظ ''ما'' اثرِ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ کریمہ (۲) اور

---

(۱) حاشیہ اذاقۃ الاثام لما نعی عمل المولد والقیام۔ ص:۱۳۵۔

(۲) پوری آیت کریمہ یہ ہے: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اُسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ (سورۃ النسآء:۴، آیت:۱۱۵)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ طریق مسلمین ہی صراط مستقیم ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (خزائن العرفان)

اِتّبعوا السّوادَ الأعظم حدیث[۱] دونوں طرح کے احکام کو شامل ۔ اور علما دونوں طرح کے احکام اس پر بنا کرتے ہیں کہ بعض ہم نے بھی ذکر کیے اور کوئی فارقِ عقلی و سمعی متحقق نہیں تو تخصیص اس کی معاملات کے ساتھ محض بے معنی ہے۔''[۲]

توارث کے تعلق سے فقہی ضابطے

توارث: وہ امر ہے جو عہد رسالت سے سلفاً عن خلفٍ معمول بہ ہوتا چلا آیا ہو۔

شمائم العنبر میں ہے: توارث تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے۔ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

''رکعتین اولیین میں قراءت جہری اور اُخریین میں سرّی ہی متوارث ہے۔ یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا، اور انھوں نے اس کو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا، ایسے ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تک، اور انھوں نے اس کو صاحبِ وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھا، اس لیے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں۔''

یہی توارث کے وہ معنٰی ہیں جس سے شرعاً دلیل پکڑنا درست ہے اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ۔

اقول۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے:

(۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو۔

(۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔

(۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب، کس نے ایجاد کیا۔

(۴) حدوث کا علم اجمالی ہو۔ یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نو ایجاد ہے، لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔

ضابطہ (۱۲): جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو اور اس کا

---

(۱) حلیۃ الاولیاء لأبی نعیم، ص:۴۲، ج:۳ و مجمع الزوائد، ص:۲۲۸، ج:۵ و ص:۲۲۱ ج:۵ و نسائی۔

(۲) اصول الرشاد لقمعِ مبانی الفساد، ص:۱۷۷، ۱۷۸، مبحث سوم، قاعدہ:۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

عمل شائع و ذائع ہو اور اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور ﷺ کے عہدِ مبارک میں بھی ایسا ہوتا تھا، یہ **"قسم اول"** ہے اور اسی کو "متوارثِ اعلیٰ" بھی کہتے ہیں۔ (یہ ثابت بالسنۃ کے حکم میں ہے۔ نظام)

ضابطہ (۱۳): اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال تھا، نہ ہی یہ پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا تو ایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل و ظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے "متوارثِ حکمی" کہا جاتا ہے کہ امورِ شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں، یہ متوارث کی قسم ثانی ہے، اس کے لیے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں۔

ضابطہ (۱۴): اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد کی ایجاد ہے ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو، یا نہ ہو۔ کیوں کہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لیے یہ لازم نہیں کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں، یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے۔

کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے، لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا، جیسے اَہرامِ مصر، بلکہ حدوثِ مطلق میں آسمان و زمین بھی، اور حدوثِ مقید میں وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوئی ہیں۔ حضرت علامہ سمہودی نے خلاصۂ وفاء الوفاء میں فرمایا کہ:

"ہمیں ان کے ابتداے حدوث کا وقت نہیں معلوم۔"

تو ایسے نو پید امور، جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو حسب قواعدِ

شرعیہ ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہو گا کہ یہ کسی سنت ثابتہ کے مخالف تو نہیں۔ مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہو گا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی ''متوارث'' کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ خطبۂ جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج، کہ حادث ہے، پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے۔ البتہ یہ کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہیں، تو یہ توارث کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے، اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاحِ شرع نہیں کہا جائے گا، ہاں توارثِ لغوی ہو سکتا ہے۔(۱)

ضابطہ (۱۵): اور اگر ایسی نو پید چیز ہو جو بعد عہدِ رسالت ہو اور اس کے حدوث کا وقت نہ معلوم ہو اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اس کا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر حرام تک پھیلا ہوا ہے۔

اور اگر یہی حادث نہ سنتِ ثابتہ کے خلاف ہو، نہ قواعدِ قبح کے دائرے میں آتا ہو تو یہ صرف مباح ہے۔ نہ قبیح ہے، نہ مستحب۔ ہاں جب شہر و علاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہو گا۔ چناں چہ علما نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو(۲)۔ اور حدیث شریف میں ہے:

''لوگوں کو بشارت دو، نفرت نہ دلاؤ۔''

سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات بدعتِ مردودہ ہوگی، اور گو وہ لاکھ پھیل گئی ہو، اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسے حادث امر پر پوری امت مسلمہ کا اجماع نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گمرہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔

ایک استثنائی صورت البتہ ہے کہ وہ بات ہے تو عہدِ رسالت کے بعد کی، اور

---

(۱) رسالہ: شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۶، ص:۵۱۷، ۵۱۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۲) حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ إقامة القيامة، ص: ۲۰، رواه مسنداً و قال: رواه الحاكم وقال: صحيح على شرط الشيخين۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

بظاہر مخالفِ سنت بھی ہے لیکن زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عمل در آمد جاری و ساری ہو گیا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پُر نور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں لیکن بعد میں ان کو عام طور سے مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا۔ یہ حقیقت میں سنت ثابتہ کے مخالف نہیں، بلکہ موافق ہے۔[۱]

---

(۱) ● شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر، مترجم، شمامہ رابعہ، نفحہ ۱۰، ص:۳۰۷ تا، ص:۳۱۱، رضا اکیڈمی، ممبئی ● و مشمولہ: فتاوی رضویہ، ج:۶، ص:۵۱۹، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی

دوسرا باب

جزئیات وفروع کو ایک لڑی میں پرونے والے ضابطے

اس امر پر اجماع امت ہے کہ پانی کے سوا کسی بہتی چیز سے وضو اور غسل نہیں ہو سکتا، اس پر بھی اجماع ہے کہ وہ پانی ماے مطلق ہونا چاہیے، ماے مقید سے وضو صحیح نہیں، اور لغت وعرف وشرع کا اجماع ہے کہ دو چیزوں سے مرکب میں حکم غالب کے لیے ہے۔ اس لیے جب پانی میں اس کا غیر اس سے زیادہ مقدار میں مل جائے تو وہ قابلِ وضو نہ رہے گا اور اگر دوسری چیز غالب نہ ہو بلکہ مقدار میں پانی کے مساوی ہو تو بھی پانی قابل وضو نہ ہو گا کیوں کہ اجماع عقل ونقل ہے کہ حاظر اور مُبیح میں غلبہ حاظر کو ہوتا ہے۔

اور **مائے مطلق:** وہ پانی ہے جو اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شے مخلوط وممتزج (۱) نہ ہو جو اُس سے مقدار میں زائد یا مساوی ہو، نہ ایسی جو

---

(۱) **پانی میں کسی شے کے ملنے کی تین صورتیں اور ان کے احکام:**

ظاہر ہے (۱) کہ پانی فی نفسہٖ ایسا ہی ہے جسے بے جرم سے تعبیر کیا گیا، اب اُس میں دوسری شی جِرم دار ملنے کی تین صورتیں ہیں: (۱) استہلاک (۲) اختلاط (۳) امتزاج

استہلاک: یہ کہ وہ شی اس میں مل کر گم ہو جائے، پانی سے اُس کا جِرم ظاہر نہ ہو جیسے چھنا ہوا شربت کہ اُس میں شکر کے اجزاء ضرور ہیں مگر ان کا جرم اصلا محسوس نہ رہا، اُسے بہائیے تو خالص پانی کی طرح اُس کے سب اجزاء پھیل جائیں گے، کہیں دَل نہ رہے گا تو رقت بحال خود باقی ہے اگرچہ رقت اضافیہ میں ضرور فرق آئے گا کہ مخلوط ونامخلوط یکساں نہیں ہو سکتے۔

اختلاط: یہ کہ اُس کا جرم کُلاً یا بعضاً باقی رہے مگر پانی کو جرم دار نہ کرے، بہانے میں اس کے اجزا الگ رہ جائیں اور پانی اُنہیں چھوڑ کر خود پھیل جائے جیسے بے چھنا شربت جس میں شکر یا بتاشوں کے کچھ ریزے رہ گئے ہوں۔ ان ریزوں کو اختلاط تھا اور جس قدر گھُل گئے اُن کا استہلاک، مگر ان میں کوئی پانی کے اجزا پھیلنے کو مانع نہ ہوا۔

امتزاج: یہ کہ پانی اور وہ شی مل کر ایک ذات ہو گئے ہوں، پانی اُسے چھوڑ کر نہ بَہ سکے، بلکہ ہر جگہ وہ اس کے ساتھ گھال میل رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مجموع مرکب تمام وکمال نہ پھیل سکے گا اور ضرور جرم دار شی کی طرح ختم سیلان پر

اُس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری شے کسی جُدا مقصد کے لیے کہلائے۔

بہت چیزوں پر پانی کا نام کسی شَے کی طرف مضاف کر کے بولا جاتا ہے اُن میں بعض تو جنسِ آب سے خارج ہیں اور اطلاقِ آب محض بطور تشبیہ، جیسے آبِ زر، آب کا فور اور جو حقیقۃً پانی ہیں ان میں کچھ مائے مطلق ہیں جیسے آبِ باراں، آب دریا۔ اور کچھ مائے مقید جیسے ماءُ العسل ماءُ الشعیر۔ اول کو اضافتِ تعریف کہتے ہیں اور دوم کو اضافتِ تقیید۔ علما نے ان میں چند طرح فرق فرمایا:

اوّل: جو پانی کسی شے سے بذریعہ تدبیر نکالا جائے اُس کی طرف پانی کی اضافتِ تقیید ہوگی، ورنہ اضافتِ تعریف۔

دوم: جہاں ماہیتِ مضاف کامل ہو اضافت، تعریف کے لیے ہے، جیسے نمازِ فجر۔ اور قاصر ہو تو تقیید کے لیے، جیسے نمازِ جنازہ، کہ رکوع و سجود و قراءت و قعود نہیں رکھتی۔

سوم: جسے بے حاجتِ ذکرِ قید پانی کہہ سکیں، وہاں اضافت، تعریف کی ہے اور جہاں پانی کہنے میں ذکرِ قید ضروری ہو تقیید کی۔

چہارم: جس سے پانی کی نفی کر سکیں یعنی کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں، وہاں اضافت، تقیید کی ہے ورنہ تعریف کی۔

پنجم: جہاں ماہیت بے قید نہ پہچانی جائے اضافتِ تقیید ہے ولہٰذا اُس پر بلا قید لفظ آب کا اطلاق جائز نہ ہوگا اور جہاں بے ذکر قید، اطلاق لفظ صحیح ہو اضافتِ تعریف ہے۔

ششم: جس کی ماہیت بے اضافت پہچانی جائے اور مطلق نام آب لینے سے

بھی دَل رکھے گا۔

پہلی دو صورتوں میں پانی اپنی رقت پر ہے۔ اول پر تو ظاہر، کہ وہاں کوئی جرم محسوس ہی نہ ہو اور دوم پر جرم جُدا ہے اور پانی جُدا تو پانی بدستور رقیق ہی رہا جیسے کنکریلی یا سنگلاخ زمین میں تالاب کا پانی یا جس لوٹے میں پتھّر لوہے کے ٹکڑے ڈال دیے جائیں کوئی عاقل نہ کہے گا کہ اس سے پانی ہی رقیق نہ رہا۔ بخلاف صورت سوم کہ بلاشُبہ رقت زائل اور طبیعت متبدل ہوئی۔ زوال طبع سے یہی مراد ہے وللہ الحمد۔ (رسالہ: الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲، ص:۴۹۷، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

مفہوم ہو وہاں اضافت تعریف کی ہے ورنہ تقیید کی۔ (۱)

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

☆ وضو اور غسل صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پانی "ماے مطلق" ہو۔
☆ دوسری چیز کے مخلوط ہو جانے کی وجہ سے پانی کا نام و کام نہ بدلے۔
☆ پانی کثیر ہو تو نجاست گرنے کی وجہ سے اس کا رنگ، بو، مزہ متغیّر نہ ہو۔

یہ تینوں امور اس باب میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی وجہ سے کثیر مسائل -جو کئی طرح کے ہیں- حل طلب ہو جاتے ہیں۔ اس لیے فقہاے امت نے ان تمام مسائل کو منضبط کرنے کے لیے ضابطے وضع کیے۔ مگر ان میں کچھ ضوابط تمام جزئیات کو جامع نہیں۔ اور زیادہ تر ضوابط نقد و نظر سے محفوظ نہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ کوئی وسیع النظر فقیہِ عبقری اس میدان میں قدم رکھے اور ان تمام فقہی ضوابط کو پیش نظر رکھ کر ایسا ضابطہ وضع کرے جو تمام جزئیات و فروع کو جامع ہو اور ہر طرح کے نقد و نظر سے سالم و محفوظ ہو۔ یہ کارِ اہم فقیہ اسلام امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی خدا داد فقاہت و ذہانت اور وسعت مطالعہ سے انجام دیا۔

آپ نے اس بارے میں فقہاے مذہب کے حوالے سے پانچ ضابطے نقل کیے ہیں اور چھٹے نمبر پر "ضابطہ رضویہ" بیان کیا ہے جسے آپ نے وضع کیا ہے۔ یہ ضابطہ سولہ اجزا پر مشتمل ہے اور ہر جز بجاے خود ایک ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے ہم اسے سولہ ضابطے شمار کرتے ہیں اب آپ یہ حیرت انگیز ضابطہ خود فقیہ الاسلام امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے الفاظ میں پڑھیے، آپ رقم طراز ہیں:

ضابطہ رضویہ: سبحان اللہ فقیر بھی کوئی شے ہے کہ احکام میں زبان کھول سکے حاشا ضابطہ وہی ضابطۂ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہ ہے۔ باتباع علماء اس کے اجمال کو مفصل کر دیا ہے۔ تفاصیل میں خدمت گاریِ کلام اکابر کے صدقہ سے جن

---

(۱) رسالہ: عطاء النبی لافاضۃ أحکام ماء الصبی (ترتیب میں کچھ فرق کے ساتھ)، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲، ص:۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

تحقیقات کا افاضہ ہوا اُن پر ابتنائے شقوق کیا ہے جملہ ضوابط صحیحہ مذکورہ کو ایک دائرے کے احاطہ میں لیا ہے اس نے بیان کو اظہر و اجمع و انور و انفع کر کے ضابطہ کے لئے خلعت جدت سیا ہے۔ فأقول: و باللہ التوفیق:

ضابطہ (۱۶): دریا، نہر، چشمے، چاہ، باران کا پانی حتی کہ شبنم اپنی حد ذات میں آب مطلق ہے - جو کچھ ان کی جنس سے نہیں اگرچہ ان کی شکل، ان کے اوصاف، ان کے نام پر ہو پانی نہیں اُس سے وضو و غسل نہیں ہو سکتا جیسے ماء الجبن (دہی کا پانی) درختوں پتھروں کا مد[۱] مٹی کا تیل، سیندھی، تاڑی، ناریل، کدو، تربوز کا پانی اگرچہ اس اس میں صرف پانی ہی ہو، یوہیں جو کچھ پتّوں، شاخوں، پھلوں پھُولوں سے نکالا جائے یا کافور کے درخت، انگور کی بیل کی طرح کاٹے سے یا آپ ہی ٹپکے، یا نمک، نوشادر، کافور وغیرہا کے پگھلنے یا سونے، چاندی، رانگ وغیرہا کے گلنے سے حاصل ہو۔

ضابطہ (۱۷): جو کچھ حقیقۃً پانی ہے (اگرچہ بیچ میں پانی نہ رہا تھا جیسے اولے، یا آسمانی برف، یا گلّ کا (برف) جب پگھل جائے) • یا تو اُس میں کوئی اور چیز (اگرچہ اُسی کی جنس سے ہو) داخل ہوگی • یا نہیں - اگر نہیں (داخل ہوگی۔ ن، ر) تو وہ مطلقاً آب مطلق ہے لیکن اگر مائے مستعمل ہے جس کا بیان "الطرس المعدل" میں مفصل گزرا تو اُس سے وضو و غسل جائز نہیں، ورنہ مطلقاً صحیح ہے اگرچہ بوجہ ملکِ غیر یا وقف یا کسی حاجت ضروریہ کی طرف مصروف ہونے یا اور عوارض کے سبب جن کا بیان فصل اول میں گزرا اس سے وضو حرام، یا مکروہ ہو، اگرچہ بچّوں کا ہاتھ پڑنے، یا کافر کے چھونے یا کسی مشکوک شے کے گرنے سے اس کی طہارت میں اوہام پیدا ہوں جب تک نجاست ثابت نہ ہو جائے اگرچہ دیر تک بند رہنے سے اُس کا رنگ، بُو، مزہ بدل جائے یا ابتدا ہی سے بدلا ہوا ہو، اگرچہ کسی تیز خوشبو یا بدبو شے کے قرب سے اس میں کتنی ہی بُوئے خوش یا ناخوش پیدا ہو جائے۔ ہاں اگر سردی سے جم جائے یا رقیق نہ رہے جیسے اولے، برف اس سے وضو ناجائز ہوگا جب تک پگھل کر پھر اصلی رقت پر نہ آجائے۔

(۱) مد: وہ پانی ہے جو درخت یا پتھر سے ٹپکے۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

ضابطہ (۱۸): اگر (اس میں کوئی اور چیز۔ ن، ر) داخل ہوگی تو دو صورتیں ہیں • یا تو پانی سے جُدا رہے گی یعنی اس میں سرایت نہ کرے گی • یا خلط ہوجائے گی۔ اگر جدا رہے (اور یہ نہ ہوگا مگر شیئ جامد میں جیسے کنکر وغیرہ پانی میں ڈال دیے جائیں) تو اگر وہ شَے نجس نہیں یا پانی دہ در دہ ہے مطلقاً (ماے) مطلق و قابل وضو[1] ہے۔ اور اگر نجس ہے اور پانی کم، تو (ماے) مطلق ہے مگر لائقِ استعمال نہ رہے گا۔

ضابطہ (۱۹): اگر پانی میں (کوئی دوسری چیز۔ ن) خلط ہوگی تو دو صورتیں ہیں • وہ ملنے والی شے بھی اصل میں صرف پانی ہے • یا اس کا غیر۔ اگر صرف پانی ہے تو پھر دو صورتیں ہیں • اب بھی پانی ہی ہے • یا نہیں۔ اگر اب بھی پانی ہی ہے تو اس کے ملنے سے پانی مطلق تو مطلقا رہے گا ہی اُس سے وضو بھی روا ہوگا مگر دو صورتوں میں۔ **ایک** یہ کہ آب مستعمل اس میں مل جائے اور یہ مقدار میں اس سے زائد نہ ہو، **دوسرے** یہ کہ نجس پانی پڑجائے اور یہ دہ در دہ نہ ہو۔ اور یہ وہیں ہوگا کہ وہ پانی بے کسی دوسری شَے کے مختلط ہوجانے کے ناپاک ہوگیا جیسے آب قلیل میں خنزیر کا پاؤں یا بال پڑگیا اور نکل گیا کہ پانی خالص ہی رہا، خلط نہ ہوا اور ناپاک ہوگیا، ورنہ جو خلطِ نجس سے نجس ہوا اُس کا ملنا اس قسم سے خارج ہوگا کہ یہ صرف پانی کا ملنا نہ ہوا۔

ضابطہ (۲۰): اگر وہ ملنے والی شَے اب پانی نہیں (اور یہ نہ ہوگا مگر اولے، یا برف میں گل کا (برف) ہو خواہ آسمانی کہ یہی وہ صورت ہے کہ پانی بے خلط غیر پانی نہ رہے) تو اگر پانی کی رقت زائل کردے قابلِ وضو نہ رہے گا جب تک وہ شَے پگھل کر پھر پانی نہ ہوجائے اور اگر رقت باقی ہے نہ یوں کہ اولے برف ابھی گھل کر پانی میں مخلوط نہ ہوئے پتھر کنکر کی طرح تہ میں پڑے ہیں کہ یہ تو تیسرا نمبر تھا بلکہ یوں کہ مقدار میں اتنے کم تھے جن کے خلط سے رقت آب میں فرق نہ آیا تو اُس سے وضو جائز ہے۔

---

(۱) آبِ کثیر نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک اُس کا کوئی وصف نہ بدلے اور ظاہر ہے کہ رنگ یا مزہ اُسی وقت بدلیں گے جب اُس نجس کے اجزاء پانی میں خلط ہوں اور یہاں وہ صورت مفروض ہے کہ خلط نہ ہو، ہاں اگر کوئی نجس چیز اس درجہ قوی الرائحہ ہو کہ صرف اس کی مجاورت بلا خلط سے آبِ کثیر کی بُو بدل جائے تو نجس ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

ضابطہ (۲۱): اگر وہ شَے غیرِ آب ہے اور پانی میں اتنی خلط ہوگئی کہ پانی اُس سے مقدار میں زائد نہیں تو مطلقاً قابلِ وضو نہیں۔

ضابطہ (۲۲): اگر پانی مقدار میں زیادہ ہے تو وہ شَے نجس ہے یا طاہر، اگر نجس ہے اور پانی دہ در دہ نہیں، یا ہے تو نجاست سے اس کے رنگ یا مزے یا بُو میں فرق آگیا تو پانی اگرچہ مطلق رہے قابلِ وضو در کنار بدن میں جائز الاستعمال نہ رہا۔

ضابطہ (۲۳): اگر وہ دہ در دہ ہے اور کسی وصف میں تغیر نہ آیا تو نجاست کا حکم ساقط اور احکام بعض احکام آئندہ ہوں گے۔

ضابطہ (۲۴): اگر طاہر ہے تو پھر دو صورتیں ہیں ● اس کا خلط آگ پر ہوا ● یا الگ۔ اگر آگ سے الگ ہوا اور وہ شَے جامد ہے تو ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سے (وہ پانی مطلقاً آب مطلق ولائقِ وضو رہے گا۔ن) اور مائع ہے تو مذہب صحیح معتمد میں پانی مطلقاً آب مطلق ولائق وضو رہے گا اگرچہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں گے مگر دو صورتوں میں، **ایک** یہ کہ پانی رقیق تر ہے، اور ہم تحقیق کر آئے ہیں کہ یہ کچھ جامد ہی سے خاص نہیں بہت مائعات بھی مانعاتِ رقّت آب ہوتے ہیں **دوسرے** یہ کہ شربتِ شہد یا شربتِ شکر یا نبیذ و رنگ کی طرح مقصد دیگر کے لیے شَے دیگر ہوجائے۔

ضابطہ (۲۵): اگر خلط آگ پر ہوا تو دو صُورتیں ہیں ● اگر ہنوز وہ چیز پکنے نہ پائی کہ مقصد دیگر کے لیے شے دیگر کردے پانی سے امتزاج کامل نہ ہونے پایا کہ سرد ہونے پر گاڑھا کردے اس حالت کے قبل اتار لی تو پانی مطلقاً آبِ مطلق و قابلِ وضو ہے۔

ضابطہ (۲۶): اگر وہ شے پک گئی تو تین صورتیں ہیں ● پکانے میں صرف پانی مقصود ہے ● یا صرف وہ شے ● یا دونوں۔ پہلی دو صورتوں میں آب مطلق رہے گا جب تک اس قابل نہ ہوجائے کہ سرد ہو کر زوالِ رقّت ہو، صورت دوم کی

مثالیں بحث اول ''طبخ'' میں شنجرف ونشاستہ وآش جو سے گزریں اور صورت اول کا بیان فصل خامس میں آتا ہے اِن شاء اللہ تعالی۔

ضابطہ (۲۷): صورت سوم میں اگر پانی اس قدر کثرت سے ڈال دیا کہ نہ مقصود دیگر کے لیے ہو سکے گا، نہ اُس سے دَلدار ہو گا تو مطلقًا (آبِ۔ن) مطلق ولائق طہارت ہے۔

ضابطہ (۲۸): اگر اتنا کثیر نہ تھا مگر دَلدار نہ ہو سکے گا تو جب مقصود دیگر کے لیے ہو جائے گا قابلِ وضو نہ رہے گا۔

ضابطہ (۲۹): اگر پانی دَلدار ہو سکتا ہے تو اگر بالفعل گاڑھا ہو گیا کہ بہانے میں پُورا نہ پھیلے گا مطلقًا لائق وضو نہ رہا اگرچہ اس میں صابون ہی پکایا ہو جس سے زیادت نظافت مقصود ہوتی ہے۔

ضابطہ (۳۰): اگر بالفعل گاڑھا نہ ہوا مگر ٹھنڈا ہو کر (گاڑھا۔ن) ہو جائے گا تو دو صورتیں ہیں: اگر وہ شے مثل صابون وغیرہ زیادت نظافت کے لیے ہے فی الحال اُس سے وضو جائز، ٹھنڈا ہونے کے بعد صحیح نہیں۔

ضابطہ (۳۱): اگر زیادت نظافت کے لیے نہیں تو اس سے فی الحال بھی وضو جائز نہیں۔

یہ ہے وہ تحقیق انیق کہ جمیع نصوص صحاح کو متناول اور جملہ ارشادات متون کو حاوی وشامل اور تمام تحقیقاتِ سابقہ پر مشتمل اور سب فروع ممکنہ کے حکم صحیح کو بعونہٖ تعالی کافی وکافل۔ والحمدللہ رب العٰلمین، وأفضل الصلوۃ وأکمل السلام علی خاتم النبیین، سید المرسلین، وعلیھم جمیعا وعلی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ أجمعین، اٰمین والحمدللہ رب العٰلمین۔ (۱)

ضابطہ (۳۲): آب مقطّر یعنی قرع انبیق میں ٹپکایا ہوا پانی کہ اجزائے ارضیہ

(۱) رسالہ: الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۲، ص: ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

وغیرہا کثافتوں سے صاف کرنے کے لیے سادہ پانی رکھ کر آنچ کریں کہ بخارات اُٹھ کر اوپر کے پانی کی سردی پاکر پھر پانی ہو کر ٹپک جائیں یہ پانی کہ محض پانی کی بھاپ سے حاصل ہُوا اس کا صریح جزئیہ اپنی کتب میں نظر فقیر سے نہ گزرا۔

اقول: مگر بعونہ تعالیٰ حکم ظاہر ہے کہ وہ مائے مطلق اور اس سے طہارت جائز ہے کہ سمندر کے سوا آسمان وزمین کے عام پانی بخارات ہی سے بنتے ہیں اور گلاب وعرق گاؤزبان وغیرہ وارد نہ ہوں گے کہ وہ بھی اگرچہ پانی ہی کے بخار ہیں مگر وہ سادہ پانی سے نہ اُٹھے بلکہ جس میں دوسری شے بھگوئی گئی ہے جس نے ان بخارات مستحیلہ کو مقصد دیگر کے لیے چیز دیگر کر دیا لہٰذا زوال اسم ہوگیا، انہیں پانی نہیں کہا جاتا، بلکہ گلاب وعرق۔ بخلاف آب تقطیر کہ پانی ہی ہے اور پانی ہی کہا جائے گا، نہ مقصود بدلا، نہ نام۔

اقول: البتہ ضابطہ امام زیلعی پر گلاب اور سب عرق وارد ہوں گے کہ جامد ہی چیزیں ملیں تو مدار بقائے رقّت پر ہُوا اور وہ باقی ہے تو یہ بخارات از روئے ضابطہ آبِ مطلق ہی سے اُٹھے اور پانی ہی ہو کر ٹپکے اس کے بعد کوئی بات انھیں وہ عارض نہ ہوئی جو بربنائے ضابطہ انھیں آب مقید کر دے کہ مقصد دیگر کے لیے چیز دیگر ہو جانا ضابطہ میں نہیں تو بحکم ضابطہ گلاب وہر عرق سے وضو ہو سکنا چاہیے حالانکہ بالاجماع جائز نہیں۔

ثم رأيت التصريح بهذا الفرع في كتب السادة الشافعية، قال العلامة ز ين الميلبارى تلميذ الإمام ابن حجر المكى في فتح المعين: الماء المطلق: مايقع عليه اسم الماء بلاقيد وإن رشح من بخار الماء الطهور المغلى اهـ. وفي الفتاوٰى الكبرى الفقهية لشيخه الإمام رحمهما الله تعالى: سئل عن شجر بأرض الحبشة يخرج منه عند انتشار الر ياح بخار كالدخان و يرشح مائعا كالماء سواء بسواء فهل له حكم الماء فى الطهور ية؟ فأجاب ليس حكمُهٗ حكمَهٗ، بل هو كالمائع جزما، وفارق بخار الطهور المغلى بأن ذلك من الماء،

بخلاف هذا إذ هو كماء الشجر وهو ليس بطهور قطعا.[1]

”تیمم والا دوسرے کے پاس پانی پالے“ اس کی تمام صورتوں کو حاوی ضابطے:

جس کو وضو یا غسل کی ضرورت ہو اور پانی نہ ملے تو اسے شریعت یہ اجازت دیتی ہے کہ وضو اور غسل کی جگہ تیمم کرے۔ چناں چہ قرآن حکیم میں ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ؕ[2]

(اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ سے آیا یا عورتوں سے جماع کیا پھر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ اس کے لیے مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ ن، ر)

کوئی شخص کہیں سفر میں ہے اور اس کے پاس پانی نہیں مگر اس کے ساتھی یا کسی اور کے پاس پانی ہے تو کیا کرے؟ پانی مانگے یا بغیر مانگے نماز پڑھے، یا نماز پڑھتے وقت کسی کے پاس پانی دیکھا تو نماز توڑ کر پانی مانگے، یا نماز پوری کر کے مانگے، یا بغیر مانگے چلا جائے؟ ان مسائل کی بہت سی صورتیں ہیں اور ہر صورت کے مختلف یا مشترک احکام ہیں، ان صورتوں کو یکجا کرنے کے لیے کئی فقہا نے قوانین وضع کیے ہیں مگر وہ قوانین اس مسئلہ کی تمام صورتوں کا احاطہ نہیں کرتے۔ اس لیے فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے محض توفیق خداوندی سے ایک ”جامع قانون“ وضع فرمایا ہے جو اس مسئلہ کی تمام صورتوں اور اقسام کو شامل ہے۔ پھر اس قانون سے آپ نے انیس ضابطے وضع فرمائے۔ آپ لکھتے ہیں:

---

(۱) رسالہ: الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲، ص:۵۷۰، ۵۷۱، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۲) القرآن الحکیم، النساء:۴، آیت:۴۳۔

"متیمّم کہ دوسرے کے پاس پانی پائے، یہ مسئلہ بہت معرکۃ الآراء وطویلۃ الاذیال ہے اکثر کتب میں اُس کے بعض جزئیات مذکور ہیں امام صدر الشریعہ نے شرح وقایہ، پھر محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ شرح منیہ میں، پھر محقق زین العابدین نے بحر الرائق میں رحمهم الله تعالى ورحمنا بهم اُس کے لیے قوانین کلیہ وضع فرمانا چاہے کہ جمیع شقوق کو حاوی ہوں۔ فقیر اوّلاً چند مسائل ذکر کرے جن کا لحاظ ہر ضابطہ میں ضروری ہے اور وہی اپنے اختلافات پر مادۂ ہر ضابطہ ہیں، پھر قوانین علماء اور مالها وما علیها پھر وہ جو فیض قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہُوا۔ ولله الحمد والله المستعان وعليه التكلان"۔ (۱)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے وہ جامع قانون بڑے علمی انداز میں تحریر فرمایا ہے، جس سے استفادہ کبار علما ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہم وہ انیس قواعد "ضابطہ" کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں جنھیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مسئلہ مذکورہ کے تمام اقسام کا احاطہ کرنے کے لیے وضع فرمایا ہے۔

آپ ارقام فرماتے ہیں:

والآن آنَ أن نذكر ما فاض من فيض القدير على العاجز الفقير، (اب وقت آگیا کہ اس عاجز فقیر پر فیض قدیر سے جو فیضان ہوا اسے ذکر کریں۔ ن، ر):

ضابطہ (۳۳): (۱) اگر اس نے اسے بے مانگے پانی دیا، اگرچہ وقت کے بعد۔ (۲) یا اس کے مانگے پر نہ وعدہ کیا، نہ منع، نہ سکوت، بلکہ فوراً پانی دے دیا، خواہ تیمم سے پہلے یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں، یا نماز کے بعد (۳) خواہ قبل سوال اسے تیمم سے پڑھتے دیکھا اور خاموش رہا، (۴) یا نہ دیکھا اور بہر حال اسے گمان غالب اس کے دینے، یا نہ دینے کا تھا یا شک تھا، عام ازیں کہ یہ نماز میں اس کے پاس پانی ہونے پر مطلع ہوا یا پہلے، ان سب صورتوں میں وہ دینا مؤثر ہے، یعنی تیمم سے پہلے دیا تو

(۱) رسالہ: قوانين العلماء في متيمم علم عند زيد ماء، مشمولہ فتاویٰ رضویہ، ج: ۳، ص: ۲۹۷، ۲۹۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

تیمم جائز نہیں، اور تیمم کر چکا تھا تو ٹوٹ گیا، اور عین نماز میں دیا، یا بعد میں تو نماز و تیمم دونوں گئے، بہر کیف وضو کر کے اس نماز کو پڑھے۔

ضابطہ (۳۴): تیمم سے پہلے یا بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں، اسی وقت میں پانی ملنے کا وعدہ کیا تو یہ بھی بمعنی مذکور مطلقاً موثر ہے، یعنی تیمم کا ناقض ومانع، اور نماز میں ہو تو اس کا قاطع، عام ازیں کہ اس نے پانی نماز میں دیکھا یا اس سے پہلے، اور اس نے خود وعدہ کیا یا اس کے مانگنے پر، اور بعد کو وقت میں دے یا بعد وقت، یا اصلا نہ دے خواہ کسی عذر سے، یا بالقصد وعدہ خلافی سے، اور عام ازیں کہ اس وعدے سے پہلے اسے دینے یا نہ دینے کا ظن ہو یا نہ ہو، بہر حال مؤثر ہے۔

ضابطہ (۳۵): یہ تیمم سے نماز پڑھ چکا، اس کے بعد اس نے وعدہ کیا کہ پانی وقت میں دے گا، اور پھر بلا عذر نہ دیا، یا دیا تو وقت گزر جانے پر دیا، اس صورت میں نماز ہو گئی، خواہ یہ وعدہ اس نے خود کیا ہو، یا بعد نماز اس کے سوال پر، اور اس پانی پر اطلاع اسے نماز میں ہوئی ہو یا پہلے، عام ازیں کہ اس نے اسے نماز مذکور تیمم سے پڑھتے دیکھا ہو یا نہیں، اور اسے پیش از وعدہ کوئی ظن ہو یا شک۔

ضابطہ (۳۶): اس کے نماز پڑھ لینے کے بعد وعدہ کیا، اور وقت میں دے دیا، یا نہ دینا کسی وجہ سے ہوا نہ وعدہ خلافی سے، اس میں مطلقاً نماز کا اعادہ کرنا ہو گا، صورِ مذکورۂ قاعدۂ سوم سے کوئی بھی صورت واقع ہو۔

ضابطہ (۳۷): اس نے مانگا، وہ چپ رہا مگر وقت میں پانی دے دیا، اور اسے تیمم سے نماز پڑھتے دیکھ کر خاموش نہ رہا تھا تو یہ دینا بھی مطلقاً مؤثر ہے، یعنی تیمم کا ناقض یا مانع یا نماز کا مبطل یا قاطع (ہو گا، ن)، خواہ اس کا مانگنا اور اس کا دینا تیمم سے پہلے ہو یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں، یا نماز کے بھی بعد وقتِ نماز میں، عام ازیں کہ اسے نماز میں پانی پر اطلاع ہوئی ہو یا پہلے، اور دینے، نہ دینے کا ظن ہو یا شک۔

ضابطہ (۳۸): اس کے مانگنے پر چپ رہا اور پھر پانی اصلا نہ دیا، یا وقت کے بعد دیا، یا اسے تیمم سے نماز پڑھتے دیکھا اور بعد نماز وقت ہی میں دیا، عام ازیں کہ اسے

نماز میں اطلاع ہوئی ہو یا پہلے، اور تیمم سے پہلے مانگا یا بعد، نماز سے پہلے یا نماز میں یا بعد، اور کوئی ظن تھا یا شک، بہر حال نماز پوری ہوگئی، اعادہ کی حاجت نہیں۔

ضابطہ (۳۹): مانگنے پر انکار کر دیا، مگر نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا، یہ دینا مطلقاً بمعنی مذکورۂ دوم مؤثر ہے، وضو کر کے یہ نماز پڑھنی یا پھیرنی ہوگی، خواہ یہ مانگنا اور دینا تیمم سے پہلے یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں ہو، اور اطلاع نماز میں ہوئی ہو یا پہلے، اور دینے، نہ دینے کا ظن ہوا ہو یا شک۔

ضابطہ (۴۰): اس نے تیمم یا نماز سے پہلے یا نماز میں یا اس کے بعد مانگا، اور اس نے انکار کر کے اصلا نہ دیا، یا وقت گزرنے پر دیا، یا وقت ہی میں مگر نماز کے بعد دیا، خواہ تیمم سے نماز پڑھتے دیکھا یا نہیں، بہر حال نماز ہوگئی، خواہ اطلاع کبھی ہوئی، اور ظن ہوا یا شک۔

ضابطہ (۴۱): نہ اس نے مانگا، نہ اس نے وقت میں دیا نہ (وقت گزرنے کے۔ن،ر) بعد، مگر نماز میں خواہ اس سے پہلے، پانی پر مطلع ہو کر اسے ظن غالب ہوا تھا کہ مانگنے سے دے دے گا، نماز نہ ہوئی، پھر پڑھے۔

ضابطہ (۴۲): صورتِ مذکورہ میں اسے دینے کا گمان نہ ہوا، بلکہ نہ دینے کا ظنِ غالب یا شک تھا تو نماز ہوگئی۔

ضابطہ (۴۳): خود یا اس کے مانگنے پر کہا: ''پانی ختم ہو چکا، پہلے کہتے تو دے دیتا'' پھر نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا، یہ بدستور مؤثر ہے، وضو کر کے نماز پڑھے یا پھیرے، کبھی مطلع ہوا اور کوئی ظن یا شک کیا۔

ضابطہ (۴۴): یہی کہا اور پانی اصلا نہ دیا، یا بعد وقت خواہ وقت میں یا بعدِ نماز نماز پر مطلع ہو کر، یا بے اطلاع دیا، انھیں تعمیموں پر مطلقاً مؤثر نہیں، نماز ہوگئی، ہاں پانی دے دے تو آئندہ کے لیے وضو کرے۔

ضابطہ (۴۵): وعدہ وقت کے بعد دینے کا کیا، مگر وقت میں نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا، تو حکم مثل ضابطہ (۴۳) ہے۔ (یعنی یہ شخص پانی پر قادر کے حکم

میں ہے، لہذا وضو کر کے نماز پڑھے، یا پھیرے۔ ن، ر)

ضابطہ (۴۶): اسی قسم کے وعدہ میں پانی ختمِ نماز سے پہلے نہ دیا، تو حکم وتفصیل مثل ضابطہ (۴۴) ہے۔ (یعنی یہ شخص پانی پر قادر کے حکم میں نہیں، بلکہ عاجز ہے، لہذا نماز ہوگئی، ہاں! پانی دے دے تو آئندہ کے لیے وضو کرے۔ ن، ر)

ضابطہ (۴۷): پانی ابھی خرچ نہ ہوا، اور دینے والے کی ملک پر باقی ہے، کہ اس نے منع کر دیا، اس میں صدہا صورتیں ہیں، بہر حال حکم یہی ہے کہ اب اس کا استعمال ناجائز ہو گیا، تیمم کرے۔

ضابطہ (۴۸): وعدہ کر کے انکار کر دیا، اگر وعدہ تیمم سے پہلے تھا، جس کے باعث تیمم ناجائز ہو گیا تھا، اب انکار کر دینے سے جائز ہو گیا - اور اگر تیمم کے بعد وعدہ تھا تو تیمم ٹوٹ گیا، انکار اسے جوڑ نہ دے گا، دوبارہ تیمم کرے - یوں ہی اگر عین نماز میں وعدہ کیا، نماز وتیمم دونوں گئے، انکار اُنہیں پھیر نہ لائے گا، پھر تیمم کر کے نماز پھیرے - اور اگر وعدہ بعد نماز تھا، نماز پوری ہو گئی، اور اس انکار نے اس کے پورا ہو جانے کو اور مضبوط کر دیا۔

ضابطہ (۴۹): پانی مانگنے پر انکار کر دیا تھا، اس کے بعد اب وعدہ کر لیا کہ وقت میں دے دے گا، اگر یہ وعدہ تیمم سے پہلے ہے تو تیمم ناجائز ہو گیا اور تیمم کے بعد ہے تو ٹوٹ گیا، اور عین نماز میں ہے تو نماز وتیمم دونوں گئے، بہر حال آخر وقت تک انتظار کرے، اگر پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز پڑھے، نہ ملے اور وقت جاتا دیکھے تو تیمم کر کے پڑھ لے، پھر پھیرے، اور اگر بعد انکار یہ وعدہ نماز پڑھ لینے کے بعد کیا تو نماز ہو گئی، اس پر اس کا کچھ اثر نہیں۔

ضابطہ (۵۰): مانگنے پر خاموش ہو رہا، پھر انکار کر دیا، نماز وتیمم سب جائز ہیں، انکار بعدِ نماز کیا ہو، خواہ پہلے۔

ضابطہ (۵۱): سوال پر سکوت کے بعد وقت میں دینے کا وعدہ کر لیا، اگر یہ وعدہ تیمم سے پہلے یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں ہے، یا نماز کے بعد (وعدہ کیا۔ ن، ر) مگر اس حال میں کہ اسے تیمم سے نماز پڑھتے نہ دیکھا، تو ان صورتوں

میں یہ وعدہ مؤثر ہے، تیمم کا ناقض، یا مانع، اور نماز کا مبطل ہے یا قاطع - اور اگر تیمم سے نماز پڑھنے پر مطلع ہوا جب بھی ساکت رہا، اس کے بعد وعدہ کیا، تو نماز ہو گئی۔ [1]

ضابطہ (۵۲): بندے پر کسی چیز کے بارے میں یہ تفتیش لازم نہیں ہے کہ وہ حرام ہے، یا حلال کہ اشیا میں اصل حلت ہے۔

ہاں! اس میں شک نہیں کہ شبہہ کی جگہ تفتیش وسوال بہتر ہے جب اس پر کوئی فائدہ مترتب ہوتا سمجھے۔

اور یہ بھی اسی وقت تک ہے جب اس احتیاط وورع میں کسی امرِ اہم وآکد کا خلاف نہ لازم آئے کہ شرع مطہر میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے مثلاً مسلمان نے دعوت کی، یہ اس کے مال وطعام کی تحقیقات کر رہے ہیں- • کہاں سے لایا، • کیونکر پیدا کیا، • حلال ہے یا حرام، • کوئی نجاست تو اس میں نہیں ملی ہے- کہ بیشک یہ باتیں وحشت دینے والی ہیں اور مسلمان پر بدگمانی کرکے ایسی تحقیقات میں اُسے ایذا دینا ہے خصوصاً اگر وہ شخص شرعاً معظم ومحترم ہو، جیسے عالمِ دین، یا سچّا مرشد، یا ماں باپ، یا استاذ، یا ذی عزت مسلمان، سردار قوم تو اس نے اور بے جا کیا — ⊙ ایک تو بدگمانی ⊙ دوسرے موحش باتیں ⊙ تیسرے بزرگوں کا ترکِ ادب۔

اور یہ گمان نہ کرے کہ خفیہ تحقیقات کر لُوں گا، حاشا وکلّا اگر اسے خبر پہنچی۔ اور نہ پہنچنا تعجب ہے کہ آج کل بہت لوگ پرچہ نویس ہیں۔ تو اس میں تنہا خود پوچھنے سے زیادہ رنج کی صورت ہے۔ نہ یہ خیال کرے کہ احباب کے ساتھ ایسا برتاؤ برتوں گا "ہیہات" احباب کو رنج دینا کب روا ہے۔ اور "یہ گمان کہ شاید ایذا نہ پائے" ہم کہتے ہیں شاید ایذا پائے اگر ایسا ہی شاید پر عمل ہے تو اُس کے مال وطعام کی حلت وطہارت میں شاید پر کیوں نہیں عمل کرتا۔ معہذا اگر ایذا نہ بھی ہُوئی اور اُس نے براہِ بے تکلفی بتا دیا تو ایک مسلمان کی پردہ دری ہوئی کہ شرعاً ناجائز۔

---

(۱) رسالہ: قوانين العلماء في متيمم علم عند زيد ماء، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۳۶۸ تا ۳۷۶ کے منتخب حواشی، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

غرض ایسے مقامات میں ورع واحتیاط کی دو ہی صورتیں ہیں:

⊙ یاتواس طور پر بچ جائے کہ اُسے اجتناب ودامن کشی پر اطلاع نہ ہو۔

⊙ یاسوال وتحقیق کرے تواُن امور میں جن کی تفتیش موجبِ ایذانہیں ہوتی مثلاً کسی کا جُوتا پہنے ہے وضو کرکے اُس میں پاؤں رکھنا چاہتا ہے دریافت کرلے کہ پاؤں تر ہیں یوں ہی پہن لوں۔

⊙ یاکوئی فاسق بیباک، مجاہر، معلن اس درجہ وقاحت وبے حیائی کو پہنچا ہواہوکہ اُسے نہ بتادینے میں باک ہو، نہ دریافت سے صدمہ گزرے، نہ اُس سے کوئی فتنہ متوقع ہو، نہ اظہارِ ظاہر میں پردہ دری ہوتوعندالتحقیق اُس سے تفتیش میں بھی حرج نہیں۔ ورنہ ہرگز بنام ورع واحتیاط مسلمانوں کی نفرت ووحشت یااُن کی رُسوائی وفضیحت یاتجسّسِ عیوب ومعصیت کاباعث نہ ہوکہ یہ سب امور ناجائزہیں اور شکوک وشبہات میں ورع نہ برتنا ناجائز نہیں، عجب کہ امر جائز سے بچنے کے لیے چند نارواباتوں کا ارتکاب کرے یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ اسے محتاط بننے کے پردے میں محض غیر محتاط کردیا۔

مگر یہ اس وقت تک ہے جب تک نہ دین میں مداہنت ہو، نہ اُس کے لیے کسی گناہِ شرعی میں ابتلاہو۔

قال تعالیٰ: «وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾»

(ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”اور اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ انہیں راضی کریں اگر وہ ایمان دار ہیں۔“)

وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لاطاعة في معصية الله انما الطاعة في المعروف[1] الشيخان وأبوداود والنسائى عن عليّ كرم

---

(۱) صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۶۲۲، کتاب المغازی، باب سریۃ عبد اللہ بن حذافہ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور
صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۱۰۵۷، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور

اللہ تعالیٰ وجھہ.

(نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں فرمانبرداری صرف نیک امور میں ہے" اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔)

پس ان امور میں **ضابطۂ کلیہ** واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ:

⊙ فعل فرائض وترک محرمات کو اِرضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقًا پروانہ کرے۔

⊙ اور اتیان مستحب وترکِ غیر اولی پر مُدارات خلق و مراعاتِ قلوب کو اہم جانے اور فتنہ ونفرت وایذا و وحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔

⊙ اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے اُن کی حُرمت وشناعت نہ ثابت ہو اُن میں اپنے ترفع وتنزہ کے لیے خلاف وجُدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ایتلاف وموانست کے معارض اور مراد ومحبوبِ شارع کے مناقض ہیں۔

ہاں ہاں ہوشیار وگوش دار کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ وحکمتِ جلیلہ وکُوچہ سلامت وجادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدانِ خشک واہلِ تکشف غافل وجاہل ہوتے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت ومقصودِ شریعت سے دور پڑتے ہیں

صحیح البخاری، ج:۲، ص:۱۰۷۸، کتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق فی الاذان، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور

الصحیح لمسلم، ج:۲، ص:۱۲۵، کتاب الإمارۃ، باب وجوب طاعۃ الأمراء فی غیر معصیۃ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور

سنن النسائی، ص:۸۰۶، کتاب البیعۃ، باب جزاء من أمر بمعصیۃ فأطاع، بیت الأفکار الدولیۃ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور

سنن أبی داوٗد، ص:۲۹۶، کتاب الجہاد، باب فی الطاعۃ، بیت الافکار الدولیہ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور

خبردار و محکم گیر، یہ چند سطروں میں علم عزیز۔ و باللہ التوفیق و إلیہ المصیر.

پاک و ناپاک اور حلال و حرام کے باہم مخلوط ہونے پر شے حلال رہے گی یا حرام، اس بارے میں ضابطۂ کلیہ (۵۳) کا بیان

واضح ہو کہ کسی شے حرام، خواہ نجس کے دوسری چیز میں خلط ہونے پر **یقین** دو قسم کا ہوتا ہے:

(۱) **شخصی** یعنی ایک فردِ خاص کی نسبت تیقن ہو، مثلاً آنکھوں سے دیکھا کہ اس کنویں میں نجاست گری ہے۔

(۲) اور نوعی یعنی مطلق نوع کی نسبت یقین ہو۔ اور اس کی پھر دو قسمیں ہیں:

ایک **اجمالی** یعنی اس قدر ثابت کہ اس نوع میں اختلاط واقع ہوتا ہے نہ یہ کہ علی العموم اُس کے ہر فرد کی نسبت علم ہو جیسے کفار کے برتن، کپڑے، کنویں۔

دوسرا **کلی** یعنی نوع کی نسبت بروجہ شمول و عموم و دوام والتزام اس معنی کا ثبوت ہو مثلاً تحقیق پائے کہ فلاں نجس یا حرام چیز اس ترکیب کا جزو خاص ہے کہ جب بناتے ہیں اُسے شریک کرتے ہیں اور یہ وہیں ہوگا کہ بنانے والوں کو بالخصوص اس کے ڈالنے سے کوئی غرض خاص مقصود ہو، ورنہ بلاوجہ التزام متیقن نہیں ہو سکتا جیسے پانی وغیرہ کسی شے کو ہڈیوں سے صاف کریں کہ تصفیہ میں ناپاک یا حرام استخواں کی کوئی خصوصیت نہیں جو مقصود ان سے حاصل (ہوتا ہے وہ) پاک و حلال ہڈیوں سے بھی قطعاً حاصل ہوتا ہے۔

اور وہ اشیا بھی جن کا کسی ماکول و مشروب یا اور استعمالی چیزوں میں خلط سُنا جانا موجب تردّد و تشویش و باعثِ سوال و تفتیش ہو دو قسم ہیں:

ایک: ما مِنہ محذور یعنی وہ جن میں ہر قسم کے افراد موجود ہیں، بعض اُن میں حرام و نجس بھی ہیں اور بعض حلال و طاہر جیسے عِظام۔ یہاں منشاءِ تو ہم صرف اُن لوگوں کا بیباک و نامحتاط ہونا ہے جن کے اہتمام سے وہ چیز بنتی ہے کہ جب ان اشیا میں

حرام ونجس بھی موجود اور اُن کو پرواہ احتیاط مفقود تو کیا خبر کہ یہاں کس قسم کی چیز ڈالی گئی ہے اسی لیے جب وہ کارخانہ ثقہ مسلمانوں کے تعلق ہو تو خاطر پر اصلاً تردّد نہ آئے گا اور صدورِ محذور کی طرف ذہن سلیم نہ جائے گا۔

دوسرے: مَاہو محذور یعنی وہ کہ حرامِ مطلق یا نجسِ محض ہیں جن کا کوئی فرد، حلال وطاہر نہیں جیسے شراب بجمیع اَقسامِھا علیٰ مذہب محمدٍ الماخوذ للفتوی.

یہاں باعث احتراز وتنزہ خود اُس شے کی نفس حالت ہے، نہ بنانے والوں کی جرأت وجسارت، یہاں تک کہ ابتداءً اہل کارخانہ کی وثاقت وعدالت معلوم ہونا اس مقام پر علاجِ اندیشہ نہ ہوگی، بلکہ یہ سُن کر ان کی وثاقت واحتیاط میں شک آسکتا ہے۔ اسی وجہ سے ان دو صورتوں میں ہنگامِ نظر وتنقیح حکم بوجوہ فرق واقع ہوتا ہے۔

صُورت اولیٰ میں مجرد اُس شَے مثلاً استخواں (ہڈی) کے پڑنے پر تیقن ہے، عام ازاں کہ شخصی ہو یا نوعی، اجمالی ہو، یا کلی۔ خواہی نخواہی اس جزئی یا نوعی میں مخالطتِ حرام یا نجس کا یقین نہیں دلاتا۔ ممکن کہ صرف افراد طیبہ ومباحہ استعمال میں آئے ہوں۔ اسی طرح خاص افراد محرمہ ونجسہ کے استعمال پر یقین نوعی اجمالی بھی علی الاطلاق تحریم وتنجیس کا مورث نہیں کہ ہر جزئی خاص میں استعمالِ فردِ طاہر وحلال کا احتمال قائم ولہٰذا افراد قسمَین کا بازار میں اختلاط مانع اشترا وتناول نہیں کہ کسی معین پر حکم بالجزم نہیں کرسکتے۔

بخلاف صورتِ ثانیہ کہ وہاں صرف اس کے پڑنے کا یقین شخصی خواہ نوعی کلی اُس جزئی خاص یا تمام نوع کی تنجیس وتحریم میں بس ہے جس کے بعد کچھ کلام باقی نہیں رہتا اور وہ احتمالات کہ بوجہ تنوع افراد صورتِ اولیٰ میں متحقق ہوتے تھے یہاں قطعًا منقطع۔ اسی طرح صورت اولیٰ میں اگر بالخصوص افراد حرام وناپاک ہی پڑنے کا ایسا ہی یقین یعنی شخصی، یا نوعی، کلی ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس تقدیر پر صورتِ اولیٰ صورت ثانیہ کی طرف رجوع کرآئی۔

لانتفاء التنوع في الأفراد فان اليقين تعلق بخصوص الأفراد

المحرَّمة والنجسة وهي لاتتنوع الى محذور وغير محذور. اس لیے کہ افراد میں تنوّع نہیں ہوتا تو یقین خاص حرام وناپاک افراد سے متعلق ہوا اور افراد ممنوع اور غیر ممنوع کی طرف تقسیم نہیں ہوتے۔ (نظام)

البتہ یقین نوعی اجمالی یہاں بھی بکار آمد نہیں کہ جب علیٰ وجہ العموم والالتزام تیقن نہیں تو ہر فرد کی محفوظی محتمل ہے جب تک کسی جزئی خاص کا حال تحقیق نہ ہو کہ اس وقت یہ یقین، یقینِ شخصی کی طرف رجوع کر جائے گا وھو مانع کما ذکرنا.

بالجملہ خلاصۂ ضابطہ یہ ہے کہ مامنہ محذور میں کسی قسم کا یقین بکار آمد نہیں جب تک وہ ماھو محذور کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور ماھو محذور میں ہر قسم کا یقین کافی مگر صرف نوعی اجمالی کہ ساقط و غیر مثبتِ ممانعت ہے جب تک یقین شخصی کی طرف مائل نہ ہو۔

یہ **نفیس ضابطہ** قابلِ حفظ ہے کہ **شاید اس رسالہ عجالہ کے سوا دوسری جگہ نہ ملے** اگرچہ جو کچھ ہے کلمات علما سے مستنبط اور انہی کی کفش برداری کا تصدق ہے۔ والحمد للہ ربّ العلمین۔

مثالوں سے ضابطہ کلیہ کی وضاحت

(۱) شراب کے ایک مسئلے سے وضاحت

کل کی برف میں شراب ملنے کی خبر قابل غور و واجب النظر ہے۔ اب ضابطہ ۵۶ و ۵۷ کی تقریر پیشِ نگاہ رکھ کر لحاظ درکار۔

⊙ اگر یہ اخبار افواہِ بازار یا منتہائے سند بعض مشرکین و کفار، تو بالکل مردود و محض بے اعتبار۔ ہاں صورت اخیرہ میں اگر ان کا صدق دل پر جمے تو احتیاط بہتر۔ تاہم گناہ نہیں۔ اور اتنا بھی نہ ہو تو اصلاً پرواہ نہیں۔

⊙ اور اگر فُساق بداعمال یا مستور نامعلوم الحال کی خبر، تو شہادتِ قلب کی طرف رجوع معتبر۔ اگر دل اس امر میں اُن کے کذب کی طرف جھکے تو کچھ باک نہیں، مگر احتراز افضل کہ آخر مسلمان ہیں۔ عجب کیا کہ سچ کہتے ہوں خصوصاً مستور کہ اُس کی

عدالت معلوم نہیں تو فسق بھی تو ثابت نہیں۔

اور اگر قلب اُن کے صدق پر گواہی دے تو بیشک احتراز چاہئے کہ ایسے مقام پر تحری حجتِ شرعیہ ہے اگرچہ وہ خبر بنفسہ حجت نہ تھی مگر یہاں ممانعت کا درجہ حرمت قطعیہ تک تجاوز نہ کرے گا۔

اور وہ بھی اُسی کے حق میں جس کا دل اُن کے صدق کی طرف جائے۔

پس اگر دوسرے کے دل پر اُن کا کذب جمے اُس کے حق میں وہی پہلا حکم ہے کہ احتراز بہتر، ورنہ اجازت۔

⊙ ہاں اگر اس قدر جماعتِ کثیر کی خبر ہو جن کا کذب پر اتفاق عقل تجویز نہ کرے تو بیشک علی الاطلاق حرمتِ قطعی کا حکم دیا جائے گا اور اس کے سوا کسی امر پر لحاظ نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ سب مخبر فُساق و فُجار، بلکہ مشرکین و کفار ہوں۔

فإن العدالة بل والاسلامَ أيضا لايشترط في التواتر عند الجمهور خلافا للامام فخرالاسلام علیٰ مااشتهر مع ان كلامه قدس سره، ايضا غير نص في الاشتراط كما أفاده المولى بحرالعلوم في الفواتح.[1] والله اعلم.

(کیوں کہ تواتر میں عدالت بلکہ اسلام کی شرط بھی جمہور کے نزدیک نہیں۔ امام فخرالاسلام کا موقف۔ جیسا کہ مشہور ہے۔ اس کے برخلاف ہے، تاہم ان کا کلام بھی اسلام و عدالت کے شرط ہونے میں نص نہیں جیسا کہ حضرت بحرالعلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فواتح الرحموت میں یہ افادہ کیا۔) (نظام)

اسی طرح اگر منتہائے سند مسلمان عادل اگرچہ ایک ہی ہو جب بھی احتراز واجب اور برف حرام و نجس۔

فإن في الديانات لايشترط العدد و يقبل خبر الواحد العدل

---

(۱) فواتح الرحموت، مسألۃ: للتواتر شروط، المطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ج:۲، ص:۱۱۸/ وایضًا، ص:۱۴۹، ۱۵۰ ج:۲، دار النفائس، الریاض۔

بلا تر دد. (کیوں کہ دیانات میں عدد شرط نہیں اور ایک عادل آدمی کی خبر کسی تردّد کے بغیر قبول کی جاتی ہے۔) (نظام)

مگر یہ ضرور ہے کہ وہ خود اپنے معاینہ سے خبر دے ورنہ سُنی سنائی کہنے میں اُس کا قول خود اُس کا قول نہیں یہاں تک کہ جب اکابر علمانے دیبائے فارسی کی نسبت لکھا اس میں پیشاب پڑتا ہے۔ امام ملک العلما ابوبکر بن مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی وغیرہ ائمہ نے فرمایا: اگر یہ بات تحقیق ہو جائے تو اُس سے نماز ناجائز ہو گی تو کیا وجہ کہ اُن علما کا خود مشاہدہ نہ تھا لہذا ہنوز معاملہ تحقیق طلب رہا۔

اسی طرح تواتر کے بھی یہ معنی کہ اس قدر جماعتِ کثیر خاص اپنے معاینہ سے بیان کرے، نہ یہ کہ کہنے والے تو ہزاروں ہیں مگر جس سے پوچھیے سننا بیان کرتا ہے کہ اس صورت میں اگر اصل مخبر کا پتا نہیں تو وہی افواہ بازاری ہے ورنہ انتہائے خبر اُس مخبر پر رہے گی اور ناقلین درمیان سے ساقط ہو جائیں گے صرف نظر اُس اصل کے حال پر اقتصار کرے گی۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر اس قسم کی خبریں عوام یا کم علموں کے نزدیک متواترات سے ملتبس ہو جاتی ہیں حالانکہ عند التحقیق تواتر کی بو نہیں۔

الحاصل جب خبرِ معتبرِ شرعی سے ثابت ہو جائے کہ شراب اس ترکیب کا جز ہے تو برف کی حرمت و نجاست میں کلام نہیں اور علی العموم اُس کے تمام افراد ممنوع ومحذور۔ اور یہ احتمال کہ شاید اس فرد خاص میں نہ پڑی ہو محض مہمل و مہجور کہ یہ ما ہو محذور میں یقین نوعی کلی ہے اور ایسی جگہ یہ احتمالات یک لخت مضمحل وغیر کافی (دیکھو ضابطہ کلیہ کی تحریر اور ضابطہ (۸) کی صدر تقریر) یہاں تک کہ ایسی شے کا دوا میں بھی استعمال ناروا۔ مگر جب اُس کے سوا دوا نہ ہو اور یقین کامل ہو کہ اس سے قطعاً شفا ہو جائے گی جیسے بحالتِ اضطرار پیاسے کو شراب پینا یا بھُوکے کو گوشتِ مردار کھانا شرع مطہر نے جائز فرمایا کہ اُس سے پیاس اور اِس سے بھُوک کا جانا یقینی ہے نہ مجرد قول اطبا کہ ہرگز موجبِ یقین نہیں، بارہا اطبّا نسخے تجویز کرتے اور اُن کے موافق آنے پر اعتماد کُلی

رکھتے ہیں پھر ہزار دفعہ کا تجربہ ہے کہ ہر گز ٹھیک نہیں اُترتے بلکہ کبھی بجائے نفع مضرت کرتے ہیں اور قرابادین کی بالا خوانیاں کون نہیں جانتا یہاں تک کہ اکذب من قرابادین الاطباء (فلاں) اطبا کی قرابادین سے زیادہ جھُوٹا ہے۔) مثل ہوگئی، علی الخصوص اس بارے میں ڈاکٹروں کا قول تو بدرجہ اولیٰ قابل قبول نہیں کہ نہ انہیں دین اسلام کے حلال و حرام کا غم واہتمام، نہ اس ملک والوں کی معرفتِ مزاج وطرقِ علاج و تدقیقِ علل و تحقیقِ علامات میں حذاقتِ کامل و مہارتِ تام۔

اور اگر ایسی خبر سے ثبوت نہیں تو غایت درجہ اس قدر کہ بحکم تورُّع واجتنابِ شبہات احتراز کرے مگر تحریم و تنجیس کا حکم بے دلیل شرعی ہر گز روا نہیں۔

یہ تو اصل حکمِ فقہی ہے اور واقع پر نظر کیجئے تو اس خبر کی کچھ حقیقت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، نہ اُس پانی میں جسے منجمد کرتے ہیں شراب ملانے کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے تو برف پر حکمِ جواز ہی ہے۔ ہاں انگریزی دواؤں میں جتنی دوائیں رقیق ہوتی ہیں جنہیں ٹنکچر کہتے ہیں اُن سب میں یقیناً شراب ہوتی ہے وہ سب حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی، نہ اُن کا کھانا حلال، نہ بدن پر لگانا جائز، نہ خریدنا حلال نہ بیچنا جائز۔

کما حققناه في فتاؤنا: ان اسبارتو۔ وهی روح النبیذ۔ خمر قطعا بل من أخبث الخمور فهی حرام ورجس نجس نجاسة غليظة كالبول.

(ترجمہ: ہم نے اپنے فتاویٰ میں یہ تحقیق کی ہے کہ اسپرٹ شراب ہے بلکہ یہ سب سے زیادہ خبیث شراب ہے تو یہ حرام بھی ہے اور پیشاب کی طرح نجاستِ غلیظہ بھی۔)(نظام)

مسلمان اسے خُوب سمجھ لیں اور ڈاکٹری علاج میں ان ناپاکیوں نجاستوں سے بچیں خصوصاً سخت آفت اس وقت ہے کہ ان علاجوں میں قضا آجائے اور مسلمان اس حالت میں مرے کہ معاذاللہ اس کے پیٹ میں شراب ہو، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

اسی طرح بے شک اس شکر کا ہڈیوں سے صاف کیا جانا ایسا یقینی امر ہے جس کے انکار

کی گنجائش نہیں مگر:

اوّلاً غور واجب کہ اس تصفیہ میں ہڈیوں پر شکر کا صرف مرور و عبور ہوتا ہے بغیر اس کے کہ اُن کے کُچھ اجزا شکر میں رہ جاتے ہوں جس طرح پانی کو کوئلوں اور ہڈیوں سے متقاطر کرکے صاف کرتے ہیں کہ برتن میں نتھرا پانی شفاف آجاتا ہے اور استخواں کا کوئی جُز اس میں شریک نہیں ہونے پاتا جب تو اس شکّر کی حلّت کو صرف اُن ہڈیوں کی طہارت درکار ہے اگرچہ حلال وماکول نہ ہوں۔

(۲) ہڈیوں سے شکر کی صفائی اور ضابطۂ کلیہ پر تطبیق:

اور درصورت مرور ظاہر یہی ہے کہ منافذ کو تنگ کرتے اور بطور تقاطر رس کو عبور دیتے ہوں کہ ازالۂ کثافت کی ظاہراً یہی صورت ہڈیوں پر صرف بہاؤ میں نکل جانا غالبًا باعثِ تصفیہ نہ ہوگا تو اس تقدیر پر درصورتِ نجاستِ استخوان نجاستِ عصیر وحرمتِ شکر میں شک نہیں ورنہ [۱] بلاریب طیب وحلال۔

روسر کی جس شکر کا حال تحقیقًا معلوم ہو کہ یہ بالخصوص کیوں کر بنی ہے اُس کے تفاصیل احکام ہماری اس تقریر سے ظاہر اور استخواں کی طہارت، نجاست اور حلت وحرمت کا حکم پہلے معلوم ہوچکا (دیکھو ضابطہ:۵۵)۔

ثانیاً: کیف ماکان ان خیالات پر مطلق شکر روسر کو نجس وحرام کہہ دینا صحیح نہیں بلکہ مقامِ اطلاق میں طہارت وحلّت ہی پر فتوٰی دیا جائے گا تاوقتیکہ کسی صورت کا خاص حال تحقیق نہ ہو کہ اس قدر سے تمام افراد کی نجاست وحرمت پر یقین نہیں صرف ظنون وخیالات ہیں جنھیں شرع اعتبار نہیں فرماتی (دیکھو ضابطہ:۵۷)

مانا کہ بنانے والے بے احتیاط ہیں، مانا کہ اُنھیں نجس وطاہر وحرام وحلال کی پرواہ نہیں، مانا کہ ہڈیوں میں وہ بھی پائی جاتی ہیں جن کے اختلاط سے شے حرام یا نجس ہوجائے مگر نہ سب ہڈیاں ایسی ہی ہیں بلکہ حلال وطاہر بھی بکثرت۔ نہ بنانے والوں کو

(۱) یعنی اگر ہڈیاں ناپاک نہ ہوں یا رس اپنے بہاؤ میں اُن پر گزر جاتا ہو ۱۲ منہ

خواہی نخواہی التزام کہ خاص ایسے ہی طریقہ سے صاف کریں جو موجب تحریم و تنجیس ہو، نہ کچھ ناپاک یا حرام ہڈیوں میں کوئی خصوصیت کہ انہیں تصفیہ میں زیادہ دخل ہو جس کے سبب وہ لوگ انھیں کو اختیار کریں اور جب ایسا نہیں تو صرف اس قدر پر یقین حاصل ہوا کہ ہڈیوں سے صاف کرتے ہیں کیا ممکن نہیں کہ وہ ہڈیاں طاہر و حلال ہوں۔

دیکھو: اگر آدمی کو جنگل میں ایک چھوٹا سا گڑھا پانی سے بھرا ملے اور اس کے کنارے پر اَقدامِ وحوش کا پتا چلے اور پانی بھی جانور کے پینے سے کنارہ پر گرا دیکھے بلکہ فرض کیجئے کہ جانور بھی جاتا ہوا نظر پڑے مگر بوجہ بُعد یا ظلمتِ شب پہچان میں نہ آئے تو اس سے خواہی نخواہی یہ ٹھہرا لینا کہ کوئی درندہ یا خاص خنزیر ہی تھا اور پانی کو ناپاک جان کر اس سے احتراز کرنا ہرگز حکم شرع نہیں، بلکہ وسوسہ ہے۔ مانا کہ جنگل میں سباع و خنزیر بھی ہیں، مانا کہ وہ بھی انہیں پانیوں سے پیتے ہیں، مانا کہ یہ جانور جو جاتے دیکھا ممکن کہ سوئر ہو مگر کیا ممکن نہیں کہ کوئی ماکول اللحم جانور ہو۔

یا اتنا یقین ہوا کہ وہ بے پرواہ ہیں پھر نفس شکر میں سوا ظنون کے کیا حاصل اس سے بدر جہا زیادہ ہیں وہ بے احتیاطیاں اور خیالات جو بعض مسائل سابقۃ الذکر میں متحقق (دیکھو ضابطہ:۶۱) بلکہ جہاں بوجہ غلبہ و کثرت و فور و شدت بے احتیاطی غلبۂ ظن غیر ملتحق بالیقین حاصل ہو وہاں بھی علما تنجیس و تحریم کا حکم نہیں دیتے صرف کراہت تنزیہی فرماتے ہیں (دیکھو ضابطہ:۶۲) پھر ما نحن فیہ تو اس حالت کا وجود بھی محل نظر، کون کہہ سکتا ہے کہ اکثر ناپاک و حرام ہڈیاں ہی ڈالتے ہوں گے اور طیب و طاہر شاذ و نادر۔

یا اتنا یقین ہوا کہ وہ اپنی بے پرواہی کو وقوع میں لاتے اور ہر طرح کی ہڈیاں ڈالتے ہی ہیں پھر یہ تو نہیں کہ دائماً صرف وہی طریقہ برتتے ہیں جو نجس و حرام کر دے اور جب یوں بھی ہے اور یوں بھی تو ہر شکر میں احتمال محفوظی تو ہرگز حکم نجاست و حرمت نہیں دے سکتے۔ (دیکھو ضابطہ:۶۳)

بلکہ جب تک کسی جگہ کوئی وجہ وجیہ رَیب و شبہہ کی نہ پائی جائے تحقیقات کی بھی

حاجت نہیں، بلکہ جہاں تحقیق پر کوئی فتنہ یا ایذائے اہل ایمان یا ترکِ ادب بزرگان یا پردہ دریِ مسلمان یا اور کوئی محذور سمجھے وہاں تو ہرگز ان خیالات وظنون کی پابندی نہ کرے۔ (دیکھو ضابطہ:٦٦)

ہاں بے شک جو شخص اپنی آنکھ سے دیکھ لے کہ خاص مردار یا حرام ہڈیاں لی گئیں اور اس کے سامنے شکّر میں اس طور پر ملادی گئیں کہ اب جُدا نہیں ہوسکتیں یا بچشم خود معاینہ کرے کہ بالخصوص ناپاک استخواں لائے گئے اور اس کے رُوبرو رس میں بے حالت جریان شامل ہُوئے اور وہی رس منعقد ہوکر شکر بنا تو بالخصوص یہی شکر جو اس کے پیشِ نظر یوں بنی اس پر حرام جس کا نہ کھانا جائز، نہ کھلانا جائز۔ نہ لینا جائز، نہ دینا جائز۔ یوں ہی جس خاص شکر کی نسبت خبر معتبر شرعی سے جس کا بیان ضابطہ (٦٠) میں آئے گا ایسا برتاؤ درجہ ثبوت کو پہنچے اور معتمد بیان کرنے والا کہے میں پہچانتا ہوں یہ خاص وہی شکر ہے جس میں ایسا عمل کیا گیا تو اس کا استعمال بھی روانہ رہے گا بغیر ان صورتوں کے ہرگز ممانعت نہیں۔

اور اگر اس نے خود دیکھا یا معتبر سے سنا مگر جب بازار میں شکر بِکنے آئی مخلوط ہوگئی اور کچھ تمیز نہ رہی تو پھر حکمِ جواز ہے اور خریداری واستعمال میں مضائقہ نہیں جب تک کسی خاص شکر پر پھر دلیل شرعی قائم نہ ہو (دیکھو ضابطہ:٦٤)

یہ ہے حکمِ شرع۔ اور حکم نہیں مگر شرع کے لئے، صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہ وبارک وسلم آمین!

خاتمہ رزقنا اللہ حسنھا آمین

بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اس شکر کے بارے میں ہر صورت پر وہ واضح وبَیّن کلام کیا کہ کسی پہلو پر حکمِ شرع مخفی نہ رہا اب اہلِ اسلام نظر کریں۔

● اگر یہاں اُن صورتوں میں سے کوئی شکل موجود ہو جن پر ہم نے حکمِ حرمت ونجاست دیا تو وہی حکم ہے۔ ● ورنہ مجرد ظنون واوہام کی پابندی محض تشدّد وناواقفی، نہ بے تحقیق کسی شے کو حرام وممنوع کہہ دینے میں کچھ احتیاط، بلکہ احتیاط اباحت

ہی ماننے میں ہے جب تک دلیلِ خلاف واضح نہ ہو۔ (دیکھو ضابطہ: ۵۸)

ہم یقین کرتے ہیں کہ ان خیالات وتصوّرات کا دروازہ کھولا جائے گا تو ہندیوں (ساکنانِ ہند) پر دائرہ نہایت تنگ ہو جائے گا ایک روسر کی شکر کیا ہزارہا چیزیں چھوڑنی پڑیں گی:

• گھوسیوں کا گھی • تیلیوں کا تیل • حلوائیوں کا دُودھ • ہر قسم کی مٹھائی • کافر عطاروں کا عرقِ شربت کیا بلا ہے اور اُن کی طہارت پر بے تمسّک باصل کونسا بینہ قاطعہ ملا ہے اس دائرہ کی توسیع میں امت پر تضییق اور ہزاروں مسلمانوں کی تاثیم وتفسیق ہے جسے شرع مطہر کہ کمال یسر وسماحت ہے ہرگز گوارا نہیں فرماتی صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہ وبارک وسلم۔

في الحاشية الشامية: فيه حرج عظيم لأنه يلزم منه تأثيم الأمّة[1] اھ.

(در مختار کے حاشیہ شامی میں ہے کہ اس میں حرجِ عظیم ہے کیوں کہ اس میں اُمت کو گنہ گار بنانا لازم آتا ہے۔) (نظام)

فقیر غفرلہ اللہ تعالیٰ، نے آج تک نہ اس شکر کی صورت دیکھی، نہ کبھی اپنے یہاں منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد، مگر بایں ہمہ ہرگز ممانعت نہیں مانتا، نہ جو مسلمان استعمال کریں اُنہیں، آثم خواہ بیباک جانتا ہے، نہ تورع و احتیاط کا نام بدنام کرکے عوام مومنین پر طعن کرے، نہ اپنے نفس ذلیل مَہین، رذیل کے لیے اُن پر ترفّع وتعلّی روا رکھے۔

تنبیہ: فقیر غفراللہ تعالی لہ نے ان مقدمات میں جو مسائل ودلائل تقریر کیے جو انہیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ، نان پاو، رنگت کی پُڑیوں، یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابون، مٹھائیوں وغیرہا کا حکم خود جان سکتا ہے۔ غرض ہر جگہ کیفیتِ خبر وحالتِ مخبر وحاصل واقعہ وطریقۂ

---

(۱) ردالمحتار مطلب فیمن وطئ من زفت الیہ ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ج:۴، ص:۲۶/ایضًا ایضًا ج:۶، ص:۳۰۷، کتاب الحدود، دار الکتب العلمیہ، بیروت

مداخلت حرام ونجس وتفرقۂ ظن ویقین ومدارِج ظنون وملاحظۂ ضابطۂ کلیہ ومسالکِ ورع ومدارات خلق وغیرہا امورِ مذکورہ کی تنقیح ومراعات کرلیں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی جزئیہ ایسا نہ نکلے گا جس کا حکم تقاریر سابقہ سے واضح نہ ہو جائے۔

[یقول العبد الضعیف: آج کل دوسرے ممالک سے جو مختلف قسم کے مطعومات اور مشروبات مثل پزّہ، میگی، تھمسپ، کوکاکولا، وغیرہ آتے ہیں یا اپنے ہی ملک میں تیار ہوتے ہیں اور ان کے اجزا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا انھیں ضوابط کلیہ سے سب کے احکام واضح ہو جاتے ہیں۔][1]

ضابطہ (۵۴): جس غیر اختیاری کے مبادی اس نے باختیار پیدا کیے اس میں معذور نہ ہوگا جیسے شراب کہ اس سے زوال عقل اس کا اختیاری نہیں مگر جبکہ اختیار سے پی تو زوال عقل اور اس پر جو کچھ مرتب ہو سب اسی کے اختیار سے ہوا۔[2]

یا جیسے نماز کا وقت آنے کے بعد سو گیا اور وقت گزرنے کے بعد آنکھ کھلی تو گنہ گار ہوگا کہ نیند سے بیدار ہونا اگرچہ اپنے اختیار میں نہیں، لیکن نیند وعدم بیداری کا سبب اس نے اپنے اختیار سے پیدا کیا۔ (نظام)

تیسرا باب

فقہا سے منقول ضابطے

ضابطہ (۵۵): ہڈیاں ہر جانور یہاں تک کہ غیر ماکول ونامذبوح کی بھی مطلقاً پاک ہیں جب تک ان پر ناپاک دسومت (چکنائی) نہ ہو سوا خنزیر کے کہ نجس العین

---

(۱) قوسین کی عبارات راقم الحروف کا اضافہ ہیں۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

(۲) رسالہ: المحجة المؤتمنة في آية الممتحنة، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۱۱، ص:۷ ۵۳، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

ہے اور اس کا ہر جزو بدن ایسا ناپاک ہے کہ اصلاً صلاحیتِ طہارت نہیں رکھتا۔

اور دسومت میں قیدِ "ناپاکی" اس غرض سے ہے کہ مثلاً جو جانور خونِ سائل نہیں رکھتے اُن کی ہڈیاں بہرحال پاک ہیں اگرچہ دسومت آمیز ہوں کہ ان کی دسومت بوجہ عدمِ اختلاطِ دم خود پاک ہے تو اس کی آمیزش سے استخواں کیوں کر ناپاک ہو سکتے ہیں۔

فی تنو یر الابصار والدرالمختار و ردالمحتار: شعرُ المیتة غیر الخنزیر وعظمُها وعصبها وحافرها وقرنها الخالیة عن الدسومة (قیدٌ للجمیع کمافی القهستاني. فخرج الشعر المنتوف ومابعده إذا کان فیه دسومة) ودم سمك طاهر[1] انتهت ملخصة.[2]

تنویر الابصار، در مختار اور ردالمحتار میں ہے "خنزیر کے علاوہ ہر مردار کے بال، ہڈّی، پٹّھے، کُھر اور سینگ جو چکنائی سے خالی ہوں پاک ہیں۔ ("چکنائی سے خالی ہونے" کی قید سب کے ساتھ ہے جیساکہ قہستانی میں ہے تو اکھاڑے ہُوئے بال اور ہڈّی وغیرہ میں اگر چکنائی ہو تو وہ اس حکم سے خارج و ناپاک ہیں) نیز مچھلی کا خُون پاک ہے۔ (نظام)

ضابطہ (۵۶): مگر حلال وجائز الاکل صرف جانور ماکول اللحم، مذکّٰی یعنی مذبوح بذبحِ شرعی کی ہڈیاں ہیں حرام جانور اور ایسے ہی جو بے ذکاۃِ شرعی[3] مرجائے، یا کاٹا جائے بجمیع اجزائہ حرام ہے اگرچہ طاہر ہوکہ طہارت مستلزمِ حلت نہیں جیسے سنکھیا بقدر مضرت اور انسان کا دودھ بعدِ عمرِ رضاعت اور مچھلی کے سوا جانورانِ دریائی کا گوشت وغیر ذلک، کہ سب پاک ہیں اور باوجود پاکی حرام۔

فی الحاشیة الشامیة: إذاکان جلد حیوان میت مأکول اللحم لایجوز أکلهٗ وهو الصحیح لقوله تعالیٰ: « حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَةُ »

---

(۱) ردالمحتار مع تنویرالابصار والدر المختار ج:۱، ص:۳۵۹ ـــــ ۳۶۲، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۲) رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۴، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۳) یعنی بشرطے کہ محتاجِ ذکاۃ ہو، نہ سمک وجراد کہ ان کا استثنا معلوم و معروف ۱۲ منہ

[المائدۃ:۵، آیت:۳] وهذا جزء منها. وقال[1] عليه الصلاة والسلام: "إنما يحرم من الميتة أكلها" أمّا إذا كان جلد ما لايؤكل فإنه لايجوز أكلهُ إجماعا. بحر عن السراج[2] اھ ملخصا .[3]

حاشیہ شامیہ میں ہے: جب کھال ایسے مردار جانور کی ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو بھی اس کا کھانا جائز نہیں اور یہی صحیح ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تم پر مردار حرام کیا گیا" اور یہ اس کا جز ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مردار سے صرف اس کا کھانا حرام ہوتا ہے۔" اور اگر کھال ایسے جانور کی ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو بالاجماع اس کا کھانا جائز نہیں۔ بحر الرائق بحوالہ سراج۔ (نظام)

و فيها: تحت قوله: "والمسك طاهر حلال" زاد قوله "حلال" لأنه لايلزم من الطهارة الحل كما في التراب" منح[4] اھ.

نیز حاشیہ شامیہ میں ہے کہ در مختار میں مشک کو "طاہر و حلال" کہا کیوں کہ طاہر ہونے سے حلال ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ مٹی پاک ہے مگر حلال نہیں۔ منح۔ (نظام)

وفى الغنية شرح المنية عن القنية: حيوان البحر طاهر و إن لم يؤكل حتى خنزير البحر ولوكان ميتة[5] اھ.[6]

---

(۱) اقول اخرجه احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی والترمذی بالفاظ متقاربة متقاربة كلهم عن ابن عباس وابن ماجة عن ام المومنین میمونة رضی اللہ تعالیٰ عنهم ۱۲ منه.

(۲) ردالمحتار مطلب في احكام الدباغة مطبوعہ مجتبائی دہلی ج:۱، ص:۱۳۶/ایضًا، ج:۱، ص:۳۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

(۳) رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۴، ۵۴۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۴) ردالمحتار مطلب في احكام الدباغة مطبوعہ مجتبائی دہلی ج:۱، ص:۱۳۹/ایضًا ج:۱، ص:۳۶۴، مطلب فی المسک والزباد والعنبر، دار الکتب العلمیہ

(۵) غنیۃ المستملی، قبیل ستر العورۃ، سہیل اکیڈمی لاہور ص: ۲۰۸/ایضًا ص:۲۰۸، المکتبۃ العربیۃ، بھنڈی بازار ممبئی۔

(۶) رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

اور غنیہ شرح منیہ میں قنیہ سے نقل کیا ہے کہ دریائی جانور پاک ہیں اگرچہ انہیں کھایا نہ جاتا ہو۔ یہاں تک کہ دریائی خنزیر بھی، اگرچہ مردار ہو۔ (نظام)

ضابطہ (۵۷): شریعتِ مطہرہ میں طہارت وحلّت اصل ہیں [۱] اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کے محتاج نہیں اور حرمت ونجاست عارضی ہیں کہ ان کے ثبوت کو دلیل خاص درکار اور محض شکوک وظنون سے اُن کا اثبات ناممکن کہ طہارت وحلت پر بوجہ اصالت جو یقین تھا اُس کا زوال بھی اس کے مثل یقین ہی سے متصور، نِرا ظنِ لاحق یقینِ سابق کے حکم کو رفع نہیں کرتا۔ یہ شرع شریف کا ضابطۂ عظیمہ ہے جس پر ہزارہا احکام متفرع (ہوتے ہیں۔ ن) یہاں تک کہ کہتے ہیں تین چوتھائی فقہ سے زائد اس پر مُبتنی (ہیں) اور فی الواقع جس نے اس قاعدہ کو سمجھ لیا وہ صدہا وساوسِ ہائلہ وفتنہ پردازیِ اوہامِ باطلہ ودست اندازیِ ظنونِ عاطلہ سے امان میں رہا۔

حدیث صحیح میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إيّاكم والظن فإن الظن أكذب الحديث [۲] رواه الائمة مالك والبخاري ومسلم و أبوداؤد والترمذي عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه.

بدگمانی سے بچو کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اسے ائمہ حدیث امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نظام)

اور یہ نفیس ضابطہ نہ صرف اسی قسم کے مسائل میں، بلکہ ہزارہا جگہ کام دیتا ہے جب کسی کو کسی شے پر منع وانکار کرتے اور اُسے حرام یا مکروہ یا ناجائز کہتے سنو جان لو کہ بارِ ثبوت اُس کے ذمّہ ہے جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کرے اُس کا دعویٰ اُسی پر مردود (ہوگا) اور جائز ومباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لیے

---

(۱) یعنی سوا بعض اشیاء کے جن میں حرمت اصل ہے جیسے دماء وفروج ومضار ۱۲ منہ

(۲) صحیح البخاری، باب ما ینھی عن التحاسد والتدابر، ج:۲، ص:۸۹۶، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک فور

تمسک باصل موجود (ہے)، علما فرماتے ہیں یہ قاعدہ نصوص علیہ احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ وتصریحات جلیہ حنفیہ وشافعیہ وغیرہم عامہ علما وائمہ سے ثابت (ہے) یہاں تک کہ کسی عالم کا اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔

في الطريقة المحمدية وشرحها الحديقة الندية للعلامة عبدالغني النابلسي قدس سره القدسي: الأصل في الأشياء الطهارة لقوله سبحٰنهٗ وتعالى: «هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا»[1] واليقين لايزول بالشّكّ والظن، بل يزول بيقينٍ مثله- وهذا أصل مقرر في الشرع، منصوص عليه في الأحاديث، مصرّح به في كتب الفقهاء من الحنفية والشافعية وغيرهم. ولم أر فيه مخالفا من أحد من العلماء أصلا. فإذا شكّ أو ظنّ في طهارة ماء اوطعام اوغيرذلك مماليس بنجس العين فذلك الشيءُ طاهر في حق الوضوء وحلّ الأكل وسائر التصرفات وكذا إذا غلب الظنُّ على نجاسته. اهـ ملتقطا[2].

علّامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی کی ”حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ“ میں ہے کہ اشیا کی اصل طہارت ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ نے زمین میں جو کچھ ہے تمھارے لیے پیدا فرمایا، اور یقین، شک وگمان سے زائل نہیں ہوتا بلکہ اپنے جیسے یقین سے زائل ہوتا ہے۔

یہ شریعت کا مسلّمہ قاعدہ ہے، نصوصِ احادیث اور حنفی و شافعی و دیگر فقہا کی کتابوں میں اس کی صراحت ہے، میں نے اس میں کسی عالم کا اختلاف نہ دیکھا، لہٰذا جب پانی، کھانے یا اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طہارت میں جو نجس العین نہیں ہے شک پیدا ہو تو یہ حکم ہو گا کہ یہ چیز پاک ہے اور اس سے وضو کرنا جائز ہے، اسے کھانا

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، آیت:۲۹۔

(۲) ● الحدیقۃ الندیۃ ، بیان اختلاف الفقہا فی امر الطہارۃ والنجاسۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ج:۲ص: ۱۰۷۰۱۷۱۔ ● رسالہ: الأحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۶، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

حلال اور اس میں دوسرے تصرفات مثلاً کپڑے، چادر وغیرہ کو پہننا، اوڑھنا وغیرہ مباح ہوگا۔ یوں ہی جب اس کی نجاست کا ظنِّ غالب ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ (نظام)

ضابطہ (۵۸): احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ و ثبوتِ کامل کسی شے کو حرام و مکروہ کہہ کر شریعتِ مطہرہ پر افترا کیجئے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے حاجت مُبیّن خود مُبَیَّن۔ سیدی عبدالغنی بن سیدی اسمٰعیل قدّس سرہما الجلیل فرماتے ہیں:

ليس الاحتياط في الافتراء على الله تعالىٰ بإثبات الحرمة أو الكراهة اللذَين لابدلهما من دليل، بل في القول بالإباحة التي هي الأصل وقد توقف النبي صلى الله تعالى عليه وسلم مع أنه هو المُشرِّع في تحريم الخمرِ أمّ الخبائث حتى نزل عليه النص القطعي[1] وآثره ابن عابدين في الأشربة مقررا.[2]

(احتیاط اس بات میں نہیں کہ حرمت یا کراہت ۔ جن کے لیے دلیل ناگزیر ہے۔ کو ثابت کرکے اللہ تعالیٰ پر افترا باندھا جائے بلکہ احتیاط اباحت کے قول میں ہے کیوں کہ اباحت اصل ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شارع ہونے کے باوجود، تمام خبائث کی جڑ شراب کو حرام قرار دینے میں توقف فرمایا یہاں تک کہ آپ پر قرآن حکیم کی نص قطعی نازل ہوگئی۔ اھ

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشروبات کے باب میں اسے برقرار رکھتے ہوئے اختیار فرمایا۔ (نظام)

ضابطہ (۵۹): بازاری افواہ قابل اعتبار اور احکامِ شرع کی مناط و مدار نہیں ہو سکتی بہت خبریں بے سروپا ایسی مشتہر ہو جاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں، یا ہے تو بہ

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الاشربۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ج:۵، ص:۳۲۶/ایضًا ج:۱، ص:۴۳، دار الکتب العلمیہ، العلمیہ، بیروت

(۲) رسالہ: الأحلى من السكر لطلبة سكر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۷۔۵۴، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

ہزار تفاوت - اکثر دیکھا ہے ایک خبر نے شہر میں شہرت پائی اور قائلوں سے تحقیق کیا تو یہی جواب ملا کہ سُنا ہے - نہ کوئی اپنا دیکھا بیان کرے، نہ اُس کی سند کا پتا چلے کہ اصل قائل کون تھا جس سے سُن کر شدہ شدہ اس اشتہار کی نوبت آئی، یا ثابت ہُوا تو یہ کہ فلاں کافر یا فاسق منتہائے اسناد تھا۔

پھر معلوم و مُشاہَد کہ جس قدر سلسلہ بڑھتا جاتا ہے خبر میں نئے نئے شگُوفے نکلتے آتے ہیں زید سے ایک واقعہ سُنیے کہ مجھ سے عمرو نے کہا تھا، عمرو سے پُوچھیے تو وہ کچھ اور بیان کرے گا، بکر سے دریافت ہوا تو اور تفاوت نکلا۔

مسلمٌ في مقدمة الصحيح: عن عامر بن عبدة قال: قال عبدالله: إن الشيطان ليتمثَّل في صورة الرجل فيأتي القومَ فيحدثهم بالحديث من الكذب فيتفرقون فيقول الرجل منهم سمعت رجلا أعرف وجهه ولا أدرى ماسمه يحدث[1].

امام مسلم نے مقدمۂ صحیح مسلم میں حضرت عامر بن عبدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شیطان آدمی کی شکل میں لوگوں کے پاس آکر ان سے جھُوٹی بات بیان کرتا ہے پھر وہ منتشر ہوجاتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے میں نے ایک آدمی سے یہ بات سنی، میں اس کو چہرے سے پہچانتا ہوں لیکن اس کا نام نہیں جانتا۔

علما فرماتے ہیں افواہی خبر اگرچہ تمام شہر بیان کرے، سننے کے قابل نہیں، نہ کہ اس سے کوئی حکم ثابت کیا جائے۔

الفاضل المصطفى الرحمتي في صوم حاشية الدر المختار: لامجردُ الشيوع من غير علمٍ بمن أشاعه كماقد تَشِيع اخبار يتحدث بها سائر أهل البلدة ولايُعلَم من أشاعَها كما ورد: " أن في أخر

---

(۱) ● مقدمۃ الصحیح لمسلم، ج:۱، ص:۱۰، مجلس البرکات، مبارک پور۔ ● رسالہ: الأجلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۷، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

الزمان يجلس الشيطن بين الجماعة فيتكلم بالكلمة، فيتحدثون بها و يقولون لاندري مَن قالها."

فمثل هذا لاينبغی أن يُّسمع، فضلا عن أن يثبت به حكم[1] اھ ملخصا.

دُرمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں فاضل مصطفی رحمتی علیہ الرحمہ کا یہ قول منقول ہے کہ محض خبر پھیلنا کہ شائع کرنے والے کا علم نہ ہو استفاضہ نہیں ہے، جیسے کچھ بے بنیاد خبریں لوگوں کی زبان پر عام ہوجاتی ہیں لیکن شائع کرنے والے کا علم نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آخری زمانے میں شیطان ایک جماعت کے درمیان بیٹھ کر کچھ باتیں کرے گا تو وہ اسے بیان کریں گے اور کہیں گے کہ ہم اس کے قائل کو نہیں جانتے، تو اس قسم کی بات کو سُننا بھی مناسب نہیں، چہ جائیکہ اس سے کوئی حکم ثابت کیا جائے۔

ضابطہ (٦٠): حلت، حرمت، طہارت، نجاست احکامِ دینیہ ہیں، ان میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

قال الله تعالیٰ: ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱﴾[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہرگز مسلمانوں پر کافروں کو راہ نہ دے گا۔

بلکہ مسلمان فاسق، بلکہ مستور الحال کی خبر بھی واجب القبول نہیں، چہ جائے کافر۔ قال الله تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا﴾[3] الآية

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کرو۔

---

(۱) ● ردالمحتار، کتاب الصوم، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ج:۲، ص:۱۰۲/ایضًا ج:۳، ص:۳۵۹، مطلب ما قالہ السبکی السبکی الخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ ● رسالہ: الأحلی من السكر لطلبة سكّر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

(۲) القرآن الحکیم، النساء:۴، آیت:۱۴۱۔

(۳) القرآن الحکیم، الحجرات:۴۹، آیت:۶۔

دُرمختار میں ہے: شرط العدالة في الديانات كالخبر عن نجاسة الماء فيتيمم ولايتوضأ ان اخبربها مسلم عدل منزجر عما يعتقد حرمته و يتحرّىٰ في خبر الفاسق والمستور اه ملخصا[1].

دیانات وعبادات کے باب میں خبر کے معتبر ہونے کے لیے عدالت شرط ہے جیسے پانی کے ناپاک ہونے کے بارے میں اگر کوئی مسلمان عادل جو حرام امور سے باز رہنے والا ہو، خبر دے تو تیمم کرے، وضو نہ کرے۔ اور فاسق و مستور الحال کی خبر کے بارے میں تحرّی کرے۔ (نظام)

وفی العالمگيرية عن الكافی: لا يقبل قول المستور في الديانات في ظاهر الروايات وهو الصحيح.[۲] اه

اور عالمگیریہ میں کافی سے نقل کیا کہ ظاہر روایات کے مطابق دیانات میں مستور الحال کا قول قبول نہ کیا جائے یہی صحیح ہے۔ (نظام)

ہاں فاسق و مستور میں اتنا ہے کہ اُن کی خبر سُن کر تحری واجب ہے، اگر دل پر اُن کا صدق جمے تو لحاظ کرے جب تک دلیلِ اقویٰ معارض نہ ہو اور کافر میں اس کی بھی حاجت نہیں مثلاً:

- پانی رکھا ہو، کافر کہے ناپاک ہے تو مسلمان کو روا کہ اُس سے وضو کرلے۔
- یا گوشت خریدا ہو، کافر کہے اس میں لحم خنزیر ملا ہے مسلمان کو اُس کا کھانا حلال اگرچہ اس کا صدق ہی غالب ہو اگرچہ اُس کی یہ بات دل پر کچھ جمتی ہوئی ہو کہ جو خُدا کو جھٹلاتا ہے اُس سے بڑھ کر جھُوٹا کون۔
- پھر ایسے کی بات محض واہیات، البتہ احتیاط کرے تو بہتر، وہ بھی وہاں جب کچھ حرج نہ ہو۔

---

(۱) در مختار، کتاب الحظر والاباحة، مطبوعہ مجتبائی دہلی ج:۲، ص:۲۳۷/ تنویر الابصار و در مختار المطبوعان مع رد المحتار، ج:۹، ص:۴۹۸ — ۴۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراھیۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ج:۵، ص:۳۰۹

وفی الھندیة عن التاتارخانیة: رجل اشتری لحما فلما قبضه فأخبره مسلم ثقة انه قدخالطه لحم الخنزیر لم یسعه ان یاکله[۱] اھ.

اور فتاوٰی ہندیہ میں تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے گوشت خرید کر اس پر قبضہ کرلیا، تب اسے کسی صالح مسلمان نے خبر دی کہ اس میں خنزیر کا گوشت ملا ہوا ہے تو اسے کھانا جائز نہیں۔ (نظام)

قلت: ومفهوم المخالفة معتبر في الكتب كما صرّح به الائمة والعلماء. و في ردالمحتار عن الذخيرة: أنّه في الفاسق يجب التحري وفي الذمي يستحب[۲] اھ.

میں کہتا ہوں کتب علما میں مفہوم مخالف معتبر ہے جیسا کہ ائمہ وعلما نے اس کی تصریح کی، ردالمحتار میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ فاسق کی خبر میں تحرّی واجب ہے اور ذمی کے بارے میں مستحب ہے۔ (نظام)

وفي شرح التنو یر عن شرح النقاية والخلاصة والخانية: أمّا الكافر اذاغلب صدقه على كذبه فإراقته أحبّ[۳]

اور شرح تنویر میں شرح نقایہ، خلاصہ اور خانیہ سے ہے کہ کافر کے سچ بولنے کا گمان غالب ہو اور (وہ پانی کو ناپاک بتائے) تو اسے بہا دینا زیادہ پسندیدہ ہے۔ (نظام)

ضابطہ (۶۱): کسی شے کا محل احتیاط سے دور، یا کسی قوم کا بے احتیاط و شعور اور پروائے نجاست وحرمت سے مہجور ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شے یا اُس قوم کی استعمالی خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقًا ناپاک، یا حرام وممنوع قرار پائیں کہ اس سے اگر یقین ہُوا تو اُن کی بے احتیاطی پر، اور بے احتیاطی مقتضیِ وقوعِ دائم نہیں، پھر نفس شے

(۱) الفتاوی الہندیۃ، کتاب الکراہیۃ، مطبوعہ نورانی کتب خانہ، پشاور ج:۵، ص:۳۰۹

(۲) ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ج:۵، ص:۲۴۴/ ایضًا ردالمحتار، ج:۹، ص: ۵۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۳) ● در مختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ج:۲، ص:۲۳۷/ایضًادر مختار المطبوع مع ردالمحتار ج:۹، ص: ۴۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ ● رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۹، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

میں سوا ظنون وخیالات کے کیا باقی رہا جنہیں اَمثالِ مقام میں شرع مطہر لحاظ سے ساقط فرما چکی، كما ذكرنا في المقدمة الثانية.

(۱) دیکھو کیا کم ہے ان کنوؤں کی بے احتیاطی جن سے کفار فجار، جُہال گنوار، نادان بچّے، بے تمیز عورتیں سب طرح کے لوگ پانی بھرتے ہیں پھر شرع مطہر اُن کی طہارت کا حکم دیتی اور شرب ووضو روا فرماتی ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔

أقول: وهذا أمر مستمر من لدن الصدر الأول إلى زماننا هذا لا يعيبه عائب ولا ينكره منكر فكان إجماعاً.

أقول: یہ بات صدر اول یعنی عہد صحابہ سے ہمارے زمانے تک جاری ہے کوئی اس پر عیب نہیں لگاتا اور نہ کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو اجماع ہوا۔ (نظام)

(۲) خیال کرو اس سے زیادہ ظنون وخیالات ہیں اُن جوتوں کے بارے میں جنہیں گلی کوچوں ہر قسم کی جگہوں میں پہنے پھرے پھر علما فرماتے ہیں کہ جُوتا کنویں سے نکلے اور اس پر کوئی نجاست ظاہر نہ ہو تو کنواں طاہر ہے، اگرچہ تطییباً للقلب دس، بیس ڈول تجویز کیے گئے۔

فى الطريقة والحديقة عن التاترخانية: سئل الامام الخجندى عن ركية -وهى البئر- وجدفيهاخف اى نعل تلبس ويمشي بها صاحبها في الطرقات لايدرى متى وقع فيها وليس عليه اثر النجاسة، هل يحكم بنجاسة الماء؟ قال: لا اه ملخصا.[1]

طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں تتارخانیہ سے منقول ہے کہ امام خجندی سے ایک کنویں کے بارے میں پُوچھا گیا کہ اس میں جُوتا پایا گیا جس کو پہن کر آدمی راہ چلتا ہے، یہ معلوم نہیں کہ جوتا اس میں کب گرا اور اس پر نجاست کا نشان بھی نہیں تو کیا پانی کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے گا؟

انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا: نہیں۔ (نظام)

---

(۱) الحدیقۃ الندیہ، ج:۲، ص:۶۷۴، الصنف الثانی من الصنفین، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد/ایضًاج:۲، ص: ص:۴۶۰، دار الحدیقہ۔

بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب جو جوتے پہن کر راستوں پر چلتے انھیں کو پہنے ہوئے نماز بھی پڑھ لیتے تھے، چناں چہ امام احمد بن حنبل[۱] امام بخاری[۲] امام مسلم[۳] امام ترمذی[۴] وامام نسائی[۵] نے نے اس مضمون کی احادیث تخریج کی ہیں۔

(۳) غور کرو کیا کچھ گمان ہیں بچّوں کے جسم وجامہ میں کہ وہ احتیاط کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، پھر فقہا حکم دیتے ہیں کہ جس پانی میں بچّہ ہاتھ یا پاؤں ڈال دے پاک ہے جب تک نجاست کی تحقیق نہ ہو۔

فی المتن والشرح المذکورین: کذلك حکم الماء الذی أدخل الصبی یده فیه لأن الصبیان لایتوقون النجاسة لکن لایحکم بهابالشك والظن حتی لوظهرت عین النجاسة أو أثرها حکم بالنجاسة[۶] اھ ملخصا.

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے:

یہی حکم اس پانی کا ہے جس میں بچّے نے ہاتھ ڈال دیا کیوں کہ بچّے نجاست سے بچا نہیں کرتے لیکن شک اور گمان کی بنیاد پر پانی کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا، ہاں اگر عینِ نجاست یا اس کا اثر ظاہر ہو جائے تو نجاست کا حکم دیا جائے گا۔ (نظام)

(۴) لحاظ کرو کس درجہ مجال وسیع ہے روغن کتان میں جس سے صابن بنتا ہے اس کی کلسیاں کھلی رکھی رہتی ہیں اور چوہا اُس کی بُو پر دوڑتا اور جیسے بن پڑے پیتا اور

(۱) مسند أحمد بن حنبل، عن أبي سعید الخدري، ج:۳، ص:۹۲، دار الفکر، بیروت

(۲) صحیح البخاري، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی النعال، ج:۱، ص:۵۶، مجلس البرکات، مبارکفور

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب جواز الصلاۃ فی النعلین، ج:۱، ص:۲۰۸، مجلس البرکات، مبارکفور

(۴) جامع الترمذي، ج:۱، ص:۵۳، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء في الصلاۃ فی النعال، مجلس البرکات، مبارکفور

(۵) سنن النسائی، کتاب القبلہ، الصلاۃ فی النعلین، ص:۹۹، حدیث:۷۷۵، بیت الأفکار الدولیۃ۔

(۶) الحدیقۃ الندیہ، النور الرابع في بیان اختلاف الفقہاء مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ج:۲، ص:۱۱۷/ایضا، ج: ج:۲، ص:۴۸۶، دار الحدیقہ۔

اکثر اُس میں گِر بھی جاتا ہے پھر ائمہ ارشاد فرماتے ہیں ہم اس بنا پر روغن کو ناپاک نہیں کہہ سکتے کہ یہ فقط ظن ہیں کیا معلوم کہ خواہی نخواہی ایسا ہُوا ہی۔

فیهما عن التاتارخانية عن المحيط البرهانی: قدوقع عند بعض الناس ان الصابون نجس لانه يتخذ من دهن الكتان و دهنُ الكتان نجس لأن أوعيته تكون مفتوحة الرأس عادة والفأرةُ تقصد شربها وتقع فيها غالبا ولكنا معشر الحنفية لانفتی بنجاسة الصابون لأنا لا نفتی بنجاسة الدهن لأن وقوع الفأرة مظنون ولانجاسة بالظن[1] اھ ملخصا.

طریقہ محمدیہ وحدیقۂ ندیہ میں تتارخانیہ و محیط برہانی کے حوالے سے ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک صابن ناپاک ہے کیوں کہ وہ کتان کے تیل سے بنایا جاتا ہے اور کتان کا تیل ناپاک ہے کیوں کہ اس کے برتن عام طور پر کھُلے ہوتے ہیں اور چُوہے اس کو پینے کے قصد سے جاتے اور اکثر اس میں گر پڑتے ہیں لیکن ہم گروہِ احناف صابن کے ناپاک ہونے کا فتوٰی نہیں دیتے کیوں کہ تیل کی نجاست پر ہمارا فتوی نہیں ہے اس لیے کہ چُوہے کا گرنا محض ایک گمان ہے اور گمان سے نجاست ثابت نہیں ہوتی۔ (نظام)

(۵) نظر کرو کتنی ردی حالت ہے اُن کھانوں اور مٹھائیوں کی جو کفار و ہنود بناتے ہیں کیا ہمیں اُن کی سخت بے احتیاطوں پر یقین نہیں، کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُن کی کوئی چیز گوبر وغیرہ نجاسات سے خالی نہیں، کیا ہمیں نہیں معلوم کہ اُن کے نزدیک گائے، بھینس کا گوبر اور بچھیا کا پیشاب نظیف طاہر، بلکہ طہور و مطہر، بلکہ نہایت مبارک و مقدس ہے کہ جب طہارت و نظافت میں اہتمام تمام منظور رکھتے ہیں تو ان سے زائد یہ فضیلت کسی شے سے حاصل نہیں جانتے پھر علما اُن چیزوں کا کھانا جائز رکھتے ہیں۔

فی ردالمحتار عن التتارخانية : طاهرٌ ما يتخذه أهل الشرك

---

(۱) الحدیقۃ الندیہ، الصنف الثانی من الصنفین فیماورد عن ائمتنا الحنفیۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ج: ج:۲، ص:۶۷۵/ایضًا، ج:۲، ص:۴۶۰، دار الحدیقہ۔

او الجَهَلة من المسلمين كالسمن والخبز والاطعمة والثياب[1] اھ ملخصا.

ردالمحتار میں تتارخانیہ سے منقول ہے کہ جو چیز مشرکین اور جاہل مسلمان بناتے ہیں مثلاً گھی، روٹی، کھانے اور کپڑے وغیرہ وہ سب پاک ہیں۔ (نظام)

بلکہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکمال رافت ورحمت وتواضع ولینت وتالیف واستمالت کفار کی دعوت قبول فرمائی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الإمام أحمد عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه ان يهوديا دعا النبي صلى الله تعالیٰ علیه وآله وسلم الى خبز شعير و إهالة سَنخة فأجابه[2].

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جَو کی روٹی اور پرانے تیل کی دعوت دی آپ نے قبول فرمائی۔

(٦) نگاہ کرو مشرکوں کے برتن کون نہیں جانتا جیسے ہوتے ہیں وہ انہی ظروف میں شرابیں پئیں، سور چکھیں، جھٹکے کے ناپاک گوشت کھائیں، پھر شرع فرماتی ہے جب تک علم نجاست نہ ہو حکم طہارت ہے۔

فی الحديقة: اوعيةُ المشركين كاليهود والنصارى والمجوس فإنّها لا تخلوعن نجاسة لكن لايحكم بها بالاحتمال والشك[3] اھ ملخصا.

حدیقہ میں ہے کہ یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے برتن اکثر پاک نہیں

---

(١) ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ج:١، ص:١١١/ایضًا، ج:١، ص:٢٨٣، ٢٨۴، مطلب فی فی ندب مراعات الخلاف۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت

(٢) مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطبوعہ دار المعرفۃ، المکتب الاسلامی بیروت ج:٣، ص: ٢٧٠/ایضًا، ص:٩٢٨، حدیث نمبر:١٣٢٣٣، بیت الافکار الدولیہ۔

(٣) الحدیقۃ الندیۃ، بیان اختلاف الفقہاء في امر الطہارۃ والنجاسۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ج:٢، ص:١١٧/ایضًا ج:٢، ص:۴٨٦، دار الحدیقہ۔

ہوتے لیکن محض احتمال اور شک کی بنا پر اس کا حکم نہیں دیا جائے گا۔(نظام)

یہاں تک کہ خود صحابہ کرام حضور سید العٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے غنیمت کے برتن بے تکلف استعمال کرتے اور حضور منع نہ فرماتے۔

أحمدُ في المسند و ابوداود في السنن عن جابر رضى الله تعالیٰ عنه، قال: كنا نغزو مع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فنصيب من آنية المشركين وأسقيتهم ونستمتع بها فلا يعيب ذلك عليهم[1].

امام احمد نے مسند میں اور امام ابوداؤد نے سُنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتے تو ہمیں مشرکین کے برتن اور مشکیزے ملتے اور ان سے ہم فائدہ حاصل کرتے اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے ہمارے لیے معیوب نہ جانتے۔(نظام)

قال المحقق النابلسى: أي ننتفع بالآنية والأسقية من غير غَسلها فلايعيب علينا فضلا عن نهيه. وهودليل الطهارة وجوازِ الاستعمال[2] اھ ملخصا.

محقق نابلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ہم ان برتنوں اور مشکیزوں کو بغیر دھوئے استعمال کرتے تو آپ ہمارے لیے معیوب نہ سمجھتے، روکنا تو الگ بات ہے۔ یہ طہارت اور جوازِ استعمال کی دلیل ہے۔(نظام)

أقول: بل قد صحّ عن النّبى صلى الله تعالیٰ عليه وسلم التوضؤُ من مَزادةِ مشركةٍ -وعن امير المؤمنين عمر رضى الله تعالیٰ عنه من

(۱) سنن ابي داؤد، باب في استعمال آنية اهل الكتاب، مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور ج:۲، ص:۱۸۰/ایضًا، ج:۲، ص:۵۳۶، دار الحدیقہ۔

(۲) الحديقة الندية بيان اختلاف الفقهاء في امر الطهارة والنجاسة الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ج:۲، ص:۱۲۷/ایضًا، ج:۲، ص:۴۸۶، دار الحدیقہ۔

جرّةِ نصرانيةٍ مع علمه بأن النصارى لايتوقون الانجاس بل لانجس عندهم إلا دم الحيض كما في مدخل الامام ابن الحاج.

الشيخان في حديث طويل عن عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه: ان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واصحابه توضّؤا من مزادةِ امرأةٍ مشركة.

میں کہتا ہوں: بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے مشرکہ عورت کے بڑے مشک سے وضو فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے سے وضو کیا حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ عیسائی نجاست سے نہیں بچتے بلکہ ان کے نزدیک خونِ حیض کے علاوہ کوئی چیز ناپاک نہیں، جیسا کہ امام ابن الحاج کی مدخل میں ہے۔ امام بخاری و مسلم نے ایک طویل حدیث میں حضرت عمران بن حصین سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے ایک مشرکہ عورت کے بڑے مشک سے وضو کیا۔ (نظام)

(۷) تامل کرو کس قدر معدنِ بے احتیاطی، بلکہ مخزنِ ہر گونہ گندگی ہیں، کفار، خصوصًا ان کے شراب نوش کے کپڑے، علی الخصوص پاجامے کہ وہ ہرگز استنجے کا لحاظ رکھیں، نہ شراب، پیشاب وغیرہا نجاسات سے احتراز کریں پھر علما حکم دیتے ہیں کہ وہ پاک ہیں اور مسلمان بے دھوئے پہن کر نماز پڑھ لے تو صحیح وجائز جب تک تلوُّث واضح نہ ہو۔

فى الدر المختار: ثياب الفَسَقَة واهل الذمة طاهرة[1]- وفى الحديقة: الحديقة: سراويل الكَفَرَة من اليهود والنصارى والمجوس يغلب على الظن نجاسته لانهم لايستنجون من غير ان يأخذ القلب بذلك فتصح الصلاة فيه لان الاصل اليقين بالطهارة[2] اه ملخصا.

(۱) در مختار، فصل الاستنجاء، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ج:۱، ص:۵۷/ایضًا در مختار، ج:۱، ص:۵۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) الحدیقۃ الندیۃ، بیان اختلاف الفقہاء فی امر الطہارۃ والنجاسۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ج:۲، ص:۱۱۷/ایضًا

درمختار میں ہے: فاسقوں اور ذمی غیر مسلموں کے کپڑے پاک ہیں اور حدیقہ ندیہ میں ہے کہ یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے پاجامے کے ناپاک ہونے کا گمان غالب ہے کیوں کہ وہ استنجا نہیں کرتے لیکن جب اس پر یقین نہیں تو وہ پاجامے پہن کر نماز صحیح ہے کیوں کہ اصل طہارت کا یقین ہے۔ (نظام)

بلکہ عہدِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے آج تک مسلمین میں متوارث کہ لباسِ غنیمت میں نماز پڑھتے ہیں اور ظنون ووَساوس کو دخل نہیں دیتے۔

فی الحلیة: التوارث جارفیما بین المسلمین في الصّلوة بالثیاب المغنومة من الکفَرَة قبل الغَسل.[1] اھ

حلیہ میں ہے کہ مسلمانوں میں یہ تعامل سلف و خلف سے چلا آرہا ہے کہ غیر مسلموں سے مال غنیمت میں حاصل ہونے والے کپڑوں کو دھونے سے پہلے ان میں نماز پڑھتے ہیں۔ (نظام)

یہ سات نظیریں ہیں اور ان سب کی وجہ وہی ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے کہ طہارت و حلّت اصل و متیقّن۔ اور ازالۂ یقین کو یقین ہی متعیّن۔

ولہٰذا اعادتِ علمائے دین یوں ہے کہ حکم بطہارت کے لیے ادنیٰ احتمال کافی سمجھتے ہیں اور اس کا عکس ہرگز معہود نہیں کہ محض خیالات پر حکمِ نجاست لگادیں۔ دیکھو گائے بکری اور ان کی اَمثال اگر کنویں میں گر کر زندہ نکل آئیں قطعاً حکمِ طہارت ہے حالانکہ کون کہہ سکتا ہے کہ اُن کی رانیں پیشاب کی چھینٹوں سے پاک ہوتی ہیں مگر علما فرماتے ہیں کہ محتمل ہے کہ اس سے پہلے کسی آبِ کثیر میں اُتری ہوں اور اُن کا جسم ڈھل کر صاف ہوگیا ہو۔

ضابطہ (۶۲): شدّتِ بے احتیاطی جس کے باعث اکثر احوال میں نجاست وآلودگی کا غلبۂ وقوع وکثرتِ شیوع ہو بیشک باعثِ غلبۂ ظن ہے اور ظنِ غالب شرعاً معتبر

ج:۲، ص:۴۸۶، دار الحدیقہ۔

(۱) • حلیة المحلی • رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۵۴، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

اور فقہ میں مبنائے احکام ہے۔ مگر اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جانبِ راجح پر قلب کو اس درجہ وثوق واعتماد ہو کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کردے اور محض ناقابلِ التفات سمجھے گویا اُس کا عدم و وجود یکساں ہو۔

ایسا ظنِ غالب فقہ میں ملحق بیقین ہے کہ ہر جگہ کار یقین دے گا اور اپنے خلاف، یقینِ سابق کا پُورا مزاحم ورافع ہو گا اور غالباً اصطلاحِ علما میں غالب ِظن واکبر رای اسی پر اطلاق کرتے ہیں۔

فی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر: الشكُّ لغةً: مطلق التردد، و فی اصطلاح الاصول: استواء طرفَي الشيء وهو الوقوف بین الشیئین بحیث لایمیل القلب إلی احدهما. فإن ترجّح أحدهما ولم یطرح الاٰخر فهو ظن. فان طرحهٗ فهو غالب الظن وهو بمنزلة الیقین وان لم یترجّح فهو وهم.[۱]

غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

❖ شک، لغت میں مطلق "تردّد" کو کہتے ہیں اور اصولِ فقہ کی اصطلاح میں کسی چیز کے اثبات یا نفی دونوں طرفوں کا برابر ہونا۔ اور "برابر ہونے" سے مراد ہے دو چیزوں کے درمیان یوں پس و پیش میں پڑ جانا کہ دل، ان میں سے کسی کی طرف بھی نہ جھکے۔

❖ لیکن اگر ان میں سے ایک کی طرف دل جھک جائے اور وہ راجح ہو جائے مگر دوسری کو بھی نہ چھوڑے تو وہ ظن ہے۔

❖ اور اگر دوسری کو چھوڑ دے تو یہ ظنِ غالب ہے جو یقین کے درجہ میں ہے۔

❖ اور اگر کسی جانب ترجیح نہ ملے تو وہم ہے۔ (نظام)

---

(۱) غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر، ، القاعدۃ الثالثۃ من الفن الأول، ج:۱، ص:۸۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی

دوسرے یہ کہ ہنوز جانب راجح پر دل ٹھیک نہ جمے اور جانب مرجوح کو محض مضمحل نہ سمجھے، بلکہ اُدھر بھی ذہن جائے اگرچہ بضعف وقلّت۔

یہ صورت نہ یقین کا کام دے، نہ یقینِ خلاف کا معارضہ کرے بلکہ "مرتبۂ شک وتردّد" ہی میں سمجھی جاتی ہے، کلماتِ علما میں کبھی اسے بھی ظنِ غالب کہتے ہیں اگرچہ حقیقۃً یہ مجرد ظن ہے، نہ غلبۂ ظن۔

فی الحدیقة الندیة: غالب الظن إذا لم یأخذ به القلب فهو بمنزلة الشك. والیقینُ لایزول بالشك[1] اھ

حدیقہ ندیہ میں ہے کہ جب ظن غالب پر دل نہ جمے تو وہ شک کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور یقین، شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا۔ (نظام)

ہاں اس قسم کا اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ احتیاط کو بہتر وافضل جانتے ہیں نہ کہ اُس پر عمل واجب ہوجائے۔ دیکھو کافروں کے پاجامے، مشرکوں کے برتن، اُن کے پکائے کھانے بچّوں کے ہاتھ پاؤں وغیر ذٰلک وہ مقامات جہاں اس قدر غلبہ وکثرت ووفور وشدّت سے نجاست کا جوش کہ اکثر اوقات وغالبِ احوال تلوُّث وتنجُّس ہے، جس کے سبب اگر طہارت کی طرف ایک بار ذہن جاتا ہے تو نجاست کی جانب دس، بیس دفعہ (جاتا ہے) مگر ازانجا کہ ہنوز ان میں کسی چیز کو بے دیکھے تحقیقی طور پر ناپاک نہیں کہہ سکتے اور قلب قبول کرتا ہے کہ شاید پاک ہوں لہٰذا علمانے تصریح کی کہ اس پانی سے وضو اور اُس کھانے کا تناول اور اُن برتنوں کا استعمال اور ان کپڑوں میں نماز صحیح وجائز ہے۔ اور فاعل زنہار آثم ومستحق عقاب نہیں۔ اور اُس غلبۂ ظن کا یہی جواب عطا فرمایا کہ اکثر احوال یوں سہی، پر تحقیق وتیقن تو نہیں پھر اصل طہارت کا حکم کیونکر مرتفع ہو، البتّٰہ باعتبار غلبہ وظہور، احتراز افضل وبہتر اور فعل، مکروہ تنزیہی یعنی مناسب نہیں کہ بے ضرورت ارتکاب کرے اور کیا تو کچھ حرج بھی نہیں۔

---

(۱) الحدیقة الندیة، بیان اختلاف الفقهاء في امر الطهارة والنجاسة، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ج:۲، ص:۱۱۷/ ایضًا، ج:۲، ص:۴۸۶، النوع الرابع فی بیان اختلاف الفقہاء، دار الحدیقہ۔

فی الطر یقة المحمدیة وشر حها: لکن هنا ـ ای في حالِ غلبة الظن من غیر ان یأخذ به القلب ـ لَیُستحب الاحتراز عنه و یُکره تنزیها استعماله کسراو یل الکفرة وسؤر الدجاجة المخلاة والماء الذی أدخل الصبی یده فیه وأواني المشر کین.

وقال في الذخیرة: یُکره الأکل والشرب في أواني المشر کین قبل الغَسل لأن الغالب الظاهر من حال أوانیهم النجاسة فانهم یستحلون شرب الخمر و أکل المیتة ولحم الخنزیر و یشربون ذلك و یأکلون في قصاعهم و أوانیهم فیکره للمسلمین الأکل والشرب فیها قبل الغسل ثلاث مرات. اھ ملخصًا(۱)

طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے: غلبۂ ظن ہو اور دل اس پر نہ جمے تو قابل اجتناب چیز سے احتراز مستحب ہے اور اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے جیسے کفار کے پاجامے، آزاد گھومنے پھرنے والی مرغی کا جُوٹھا، وہ پانی جس میں بچّے نے ہاتھ ڈال دیا اور مشرکین کے برتن۔

ذخیرہ میں فرمایا: ''مشرکین کے برتنوں میں دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے کیوں کہ ان کے برتن غالبًا نجس ہوتے ہیں ان کا ظاہر حال یہی ہے کیوں کہ وہ شراب پینے اور مُردار و خنزیر کا گوشت کھانے کو حلال جانتے، اسے کھاتے پیتے اور اپنے پیالوں اور دوسرے برتنوں میں استعمال کرتے ہیں لہٰذا ان کو تین بار دھونے سے پہلے مسلمانوں کو ان کا استعمال مکروہ ہے۔ (نظام)

ضابطہ (٦٢٣): کسی شے کی نوع وصنف میں بوجہِ ملاقاتِ نجس یا اختلاطِ حرام، نجاست وحرمت کا تیقّن اُس کے ہر فرد سے منع واحتراز کا موجب اُسی وقت ہوسکتا ہے جب معلوم ومحقق ہو کہ یہ ملاقات واختلاط بروجہِ عموم وشمول ہے۔

(۱) ● الحدیقة الندیة، ج:۲، ص:۴۸۶ – ۴۸۷، النوع الرابع فی بیان اختلاف الفقهاء۔ ● رسالہ: الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۵۶، ۵۵۵، ۵۵۷، ۵۵۸، ملتقطاً، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

مثلاً جس شے کی نسبت ثابت ہو کہ اس میں شراب یا شحمِ خنزیر پڑتی ہے اور بنانے والوں کو اس کا التزام ہے تو اس کا استعمال کلیۃً ناجائز و حرام ہے اور وہاں اس احتمال کو گنجائش نہ دیں گے کہ ہم نے یہ فرد خاص مثلاً خود بنتے ہوئے نہ دیکھی، نہ خاص اس کی نسبت معتبر خبر پائی ممکن کہ اس میں نہ ڈالی گئی ہو کہ جب علی العموم التزام معلوم ہے تو یہ احتمال اُسی قبیل سے ہے جسے قلب قابلِ قبول والتفات نہیں جانتا اور بالکل متضائل و مضمحل مانتا ہے اور ہم پہلے کہہ چکے کہ ایسا احتمال کچھ کارآمد نہیں، نہ وہ ظنِّ غالب کو مساواتِ یقین سے نازل کرے۔ تو اصل طہارت کا یقین اس غلبۂ ظن سے ذاہب وزائل ہو گیا۔

مگر یہ کہ اس فرد خاص کی محفوظی کسی ایسے ہی یقین سے واضح ہو جائے تو البتہ اس کے جواز کا حکم دیا جائے گا ولہذا علمانے فرمایا: "دیبائے فارسی ناپاک اور اُس سے نماز محض ناجائز کہ وہ اس کی چمک بھڑک زیادہ کرنے کو پیشاب کا خلط کرتے ہیں اور پھر دھوتے یوں نہیں کہ رنگ کٹ جائے گا۔"

فی الدرالمختار: دیباج أهل فارس نجس لجَعلِهم فیه البولَ لبریقه[1] اھ

ترجمہ: دُر مختار میں ہے کہ اہل فارس کا دیباج (ریشمی کپڑا) ناپاک ہے کیوں کہ وہ اس میں چمک پیدا کرنے کے لیے پیشاب استعمال کرتے ہیں۔ (نظام)

وفی الحلیة عن البدائع: قالوا في الدیباج الذی ینسجه أهل فارس: إنّه لا تجوز الصلاة فیه؛ لأنهم یستعملون فیه البول عند النسج و یزعمون أنه یز ید في تز یینِه ثم لایغسلونه، فإن الغَسل یُفسده.[2]

---

(١) الدر المختار المطبوع مع رد المحتار ج:١، ص:٦٦٥، باب الانجاس، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(٢) بدائع الصنائع فصل في بیان مقدار مایصیر به المحل نجساً الخ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ج:١، ص:٨١/ ایضاً، ج:١، ص:٢٣٦ ــ ٢٣٧، دار الکتب العلمیہ بیروت

ترجمہ: اور حلیہ میں بدائع سے منقول ہے انہوں نے کہا اہل فارس جو دیباج بُنتے ہیں اُس میں نماز جائز نہیں کیوں کہ وہ بُنتے وقت اُس میں پیشاب استعمال کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس سے اس کی زینت میں اضافہ ہوتا ہے پھر وہ اسے دھوتے نہیں کیوں کہ دھونے سے وہ خراب ہوجاتا ہے۔(نظام)

اور اگر ایسا نہیں، بلکہ صرف اتنا محقق ہو کہ ایسا بھی ہوتا ہے نہ کہ خاص ناپاک وحرام میں کوئی خصوصیت ہے جس کے باعث قصداً اُس کا التزام کرتے ہیں تو اس بنا پر ہرگز ہرگز حکمِ تحریم و تنجیس علی الاطلاق روا نہیں اور یہاں وہ احتمالات قطعًا مسموع ہوں گے کہ جب عموم نہیں تو جس فرد کا ہم استعمال چاہتے ہیں ممکن کہ افرادِ محفوظہ سے ہو اور اصل متیقن طہارت وحلّت، تو شکوک وظنون ناقابلِ عبرت۔

دیکھو کیا ہم کو مطعوم وملبوس وظروفِ کفار کی نسبت یقینِ کامل نہیں کہ بے شبہہ اُن میں ناپاک بھی ہیں، پھر اس یقین نے کیا کام دیا اور اُن اشیا کا استعمال مطلق حرام کیوں نہ ہُوا ـــ وجہ وہی ہے کہ اُن کے طعام ولباس وظروف پر عمومِ نجاست معلوم نہیں اور جب اُن میں طاہر بھی ہیں اگرچہ کم ہوں تو کیا معلوم کہ جس فرد کا ہم استعمال چاہتے ہیں اُن میں سے نہیں۔

مجمع الفتاوٰی وغیرہ میں تصریح کی کہ "ہمارے ملک میں جو کھالیں پکائی جاتی ہیں نہ اُن کے گلوں سے خُون دھوئیں، نہ پکانے میں نجاستوں سے بچیں، پھر ویسے ہی ناپاک زمینوں پر ڈال دیتے ہیں اور بعد کو دھوتے بھی نہیں (دیکھو نوع کی نسبت کس درجہ وضاحت وصراحت کے ساتھ وقوعِ نجاست بیان فرمایا) با ایں ہمہ حکم ناطق دیا کہ وہ بے دغدغہ پاک ہیں ان کے خشک وتر سے موزے بناؤ، کتابوں کی جلدیں بناؤ، پانی پینے کو مشک، ڈول بناؤ کچھ مضائقہ نہیں۔"

فی الطریقة عنه: وفيها في الغنية وغيرها عن القنية: الجلودُ التي تدبغ في بلادنا ولايغسل مذبحها ولا تتوقّٰى النجاسات فى حال دبغها و يُلقونها على الأرض النجسة، ولايغسلونها بعد تمام الدبغ

فھی طاھرة، یجوز اتخاذ الخفاف منھا و اتّخاذ غلاف الکتب والقراب والدلاء رطبا و یابسا[۱]

طریقۂ محمدیہ میں مجمع الفتاوی سے نیز اسی میں غنیہ سے اور غنیہ میں قنیہ وغیرہ سے نقل کیا کہ ہمارے ملک میں جو کھالیں پکائی جاتی ہیں (آخر تک اوپر کی خط کشیدہ عبارات اس کا ترجمہ ہیں۔ نظام)۔

ایسی صورت میں ائمہ نے یہی حکم عطا فرمایا کہ ہر فرد خاص کو ملاحظہ کریں گے اور نوع کی نسبت جو اجمالی یقین ہو اُسے تمام افراد میں مساوی نہ مانیں گے مثلاً:

کفار، خصوصاً اہلِ حرب کو ہم یقینا جانتے ہیں کہ انہیں پروائے نجاسات نہیں اور بیشک وہ جیسی چیز پاتے ہیں استعمال میں لاتے ہیں۔

"پھر وہ پوستین کہ دار الحرب سے پک کر آئے علما فرماتے ہیں اسے دیکھا چاہیے کہ • اس کا پکنا نجس چیز سے تحقیق ہو تو بے دھوئے نماز ناجائز • اور طاہر سے ثابت ہو تو قطعاً جائز • اور شک رہے تو دھونا افضل، نہ کہ استعمال گناہ وممنوع ٹھہرے۔"

فی الدرالمختار: مایخرج من دارالحرب کسنجاب ان علم دبغه بطاهر فطاهر اوبنجس فنجس وان شك فغسله افضل اه ومثله في المنية وغيرها[۲].

(۲) یونہی خود منقح مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بچّہ جب پانی میں اپنا ہاتھ یا پاؤں ڈال دے تو خاص اُس بچّہ کے ہاتھ پاؤں دیکھیں • اگر ڈالتے وقت نجاست ثابت ہو تو ناپاک • اور پاکی ظاہر ہو تو طاہر • اور کچھ نہ کھلے تو صرف مستحب ہے کہ اور پانی استعمال کریں اور اگر اسی سے وضو کرلے نماز پڑھ لے تاہم بے

---

(۱) الطریقة المحمدیة مع الحدیقة الندیة ، الصنف الثانی من الصنفین، مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ج:۲، ص:۶۸۲/ایضاً، ج:۲، ص:۴۶۵، دار الحدیقہ۔

(۲) دُر مختار، کتاب الطہارۃ ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ج:۱، ص:۳۸/ایضاً ج:۱، ص:۳۵۹، دار الکتب العلمیہ بیروت (ترجمہ اوپر واوین کے درمیان۔ پھر وہ پوستین کہ دار الحرب سے الخ)

شبہہ جائز۔[۱]

خاص ضابطہ کی تصریح لیجیے سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: به نأخذ مالم نعرف شيأ حراما بعينه. وهو قول ابى حنيفة واصحابه[۲] اھ. نقله الامام الاجل ظهير الدين في فتاواه وغيرُه في غيرها.

ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک ہمیں عین کسی چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہوجائے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالی کا ہے۔ امام اجل ظہیر الدین نے اپنے فتاوٰی میں اور دوسرے فقہا نے اپنی اپنی کتابوں میں اسے نقل کیا ہے۔ (نظام)

بالجملہ ایسی صورت میں حکمِ کُلی یہی ہے کہ نوع کی نسبت غیر کلی یقین، منع کلی کا موجب نہیں، بلکہ خصوص افراد کا لحاظ کریں گے۔

ضابطہ (۶۴): جب بازار میں حلال و حرام مطلقًا، یا کسی جنسِ خاص میں مختلط ہوں اور کوئی مُمیِّز وعلامتِ فارقہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے تو ہر شَے میں احتمالِ حلت قائم ہے اور رخصت واباحت کو اسی قدر کافی۔

یہ دعوٰی بھی ہماری تقریرات سابقہ سے واضح ہے اور خود مَلاذِ مذہب ابوعبداللہ شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مبسوط میں -کہ کتب ظاہر الروایہ سے ہے- اُس پر نص فرمایا۔

في الأشباه عن الأصل: إذا اختلط الحلال بالحرام في البلد، فإنّه يجوز الشراء و الأخذ إلّا أن تقوم دلالة على أنه من الحرام[۳] اھ.

اشباہ میں کتاب الاصل (مبسوط) سے ہے کہ جب شہر میں حلال و حرام مخلوط ہوجائیں تو بھی سامان کا خریدنا اور لینا جائز ہے مگر یہ کہ اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل

(۱) السیرۃ الاحمدیہ للعلامۃ محمد رومی احمدی بحوالہ تاتارخانیہ وکتاب الاصل للامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۲) فتاوٰی ہندیۃ، باب في الهدايا والضيافات، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور، ج:۵، ص:۳۴۲۔

(۳) الاشباه والنظائر، القاعدة الثانية من الفن الاول، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، کراچی، ج:۱، ص:۱۴۸

قائم ہوجائے۔(نظام)

وفی الحمویة: كون الغالب في السُّوق الحرامَ لايستلزم كونَ المشتریٰ حراما لجواز كونه من الحلال المغلوب و الأصلُ الحل[1] اھ.

اور حمویہ (غمزالعیون) میں ہے کہ بازار میں مالِ حرام زیادہ ہو اور مال حلال کم، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خریدی ہوئی چیز حرام ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مالِ حلال سے ہو جو بازار میں کم پایا جاتا ہے اور اشیا میں اصل حلت ہے۔(نظام)

ضابطہ (۶۵): یہ احتمال حل پر عمل کا قاعدہ نظر بہ فروع فقہیہ اُس صورت سے مخصوص ہے کہ وہ سب اشیا جن میں وجود حرام کا تیقن اور اُن میں سے ہر فرد کے تناول میں تناول حرام کا احتمال ہے اس تناول کرنے والے کی ملک میں نہ ہوں ورنہ اُن میں سے کسی کا استعمال جائز نہ ہوگا۔ مگر تین صورتوں سے:

ایک یہ کہ وجہ حرمت جب صالحِ ازالہ ہو تو اُن میں کسی سے اُسے زائل کردیا جائے کہ اب بقائے مانع میں شک ہوگیا اور یقینِ مجہول المحل۔ جس کا محل خاص بالتعیُّن معلوم نہ ہو۔ ایسے شک سے زائل ہوجاتا ہے مثلاً چادر کا ایک گوشہ یقیناً ناپاک تھا اور تعیین یاد نہ رہے کوئی سا کونا دھولے پاکی کا حکم دیں گے۔

ضابطہ (۶۶): حضرت حق جل وعلا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع میں طاہر و حلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطۂ قدرت سے ورا۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[2] ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شے برتیں جسے ہم اپنے علم و یقین کی رُو سے طیب و طاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرجِ عظیم ہے اور حرج مدفوع بالنص۔

قال تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾[3] وقال تعالیٰ:

---

(۱) حمویۃ المعروف بہ غمزالعیون مع الاشباہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی ص: ۱۴۸

(۲) القرآن الحکیم، البقرۃ ۲، آیت: ۲۸۶

(۳) القرآن الحکیم، الحج ۲۲، آیت: ۷۸

((يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ))[1]. (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی'') نیز فرمایا: (''اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے، تنگی نہیں چاہتا۔'')

یہ دین بحمد اللہ آسانی وسماحت کے ساتھ آیا جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لیے ہمیشہ رفق ونرمی ہے اور جو تعمق وتشدد کو راہ دے گا یہ دین اُس کے لیے سخت ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اٹھائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إنّ الدين يسر ولن يُشادّ الدين أحد إلّا غلبه فسدِّدوا وقارِبوا وابشروا.[2]

الحديث أخرجه البخاری والنسائی عن ابی هر يرة رضی الله تعالىٰ عنه وصدره عند البيهقي في شعب الإيمان بلفظ:

''الدين يسر ولن يغالب الدين أحد إلّا غلبه''[3]

بے شک یہ دین آسان ہے اس دین میں جو بھی سختی کی راہ اپنائے گا دین اس پر غالب آجائے گا۔ لہٰذا میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب رہو اور بشارت دو۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام نسائی نے حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اور شعب الایمان میں بیہقی کے الفاظ یہ ہیں: ''دین آسان ہے اور جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا۔'' (نظام)

و أخرج أحمد والنسائي وابن ماجة والحاكم باسناد صحيح عن ابن عباس - رضی الله تعالىٰ عنهما- عن النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: ايّاكم والغلوفی الدين فانما هلك من كان قبلكم

---

(۱) القرآن الحکیم، البقرۃ ۲، آیت: ۱۸۵

(۲) صحیح البخاری، باب الدین یسر، ج:۱، ص:۱۰، /ایضاً ج:۱، ص:۱۰، مجلس البرکات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔

(۳) شعب الایمان، القصد فی العبادۃ حدیث ۳۸۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ج:۳، ص:۴۰۱

بالغلو فی الدین[۱].

امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دین میں غلو سے بچو کہ تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔“ (نظام)

بلکہ صرف اس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال وطیب ہو اور اُسے مانع ونجاست کا عارض ہونا ہمارے علم میں نہ ہو لہٰذا جب تک خاص اس شَے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مظنّۂ قویہ حظر وممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش وتحقیقات کی بھی حاجت نہیں مسلمان کو روا کہ اصل حل وطہارت پر عمل کرے اور یمکن ویحتمل وشاید ولعل کو جگہ نہ دے۔

فی الحدیقة: لاحرمة إلا مع العلم، لأنّ الاصل الحلُّ ولایلزمه السؤال عن شيء حتی یطلع علی حرمته و یتحقق بها فیحرم علیه.اھ ملخصا.

وفیها عن جامع الفتاوی: لایلزم السؤال عن طهارة الحوض مالم یغلب علی ظنّه نجاسته وبمجرد الظن لایمنع من التوضیء لان الاصل في الاشیاء الطهارة.[۲] اھ

حدیقہ ندیہ میں ہے کہ علم ہونے پر ہی حرمت کا حکم ہوگا کیوں کہ اشیا میں اصل حلت ہے اور بندے پر کسی چیز کے بارے میں یہ تفتیش لازم نہیں ہے کہ وہ حرام ہے یا حلال۔ یہاں تک کہ حرمت کی تحقیق کرکے اسے اپنے اوپر حرام کرلے۔

نیز اسی میں جامع الفتاوی سے ہے کہ جب تک حوض کی نجاست کا ظنّ غالب نہ ہو اس کی طہارت کے بارے میں پوچھ تاچھ لازم نہیں اور محض نجاست کے گمان پر حوض سے وضو کرنا ممنوع نہیں کیوں کہ اصل اشیا میں طہارت ہے۔ (نظام)

فی البحر (فروع) في الخلاصة معزیا الی الاصل: یتوضأ من

(۱) سنن النسائی، باب التقاط الحصی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ج:۲، ص:۴۸/ایضًا، ج:۲، ص:۴۰۔

(۲) شعب الایمان، باب في المطاعم حدیث ۵۸۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ج:۵، ص:۶۷۔

الحوض الذی یخاف فیه قذرًا ولایتیقنه ولایجب ان یسأل اذا لحاجة الیه عند عدم الدلیل والاصل دلیل یطلق الاستعمال.[1]

بحر الرائق میں "فروع" کے عنوان کے تحت ہے کہ خلاصہ میں کتاب الاصل کے حوالے سے ہے کہ جس حوض کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو مگر یقین نہ ہو اس سے وضو کر سکتا ہے، اور اس کے بارے میں تفتیش واجب نہیں کیوں کہ اس کی حاجت دلیل نہ ہونے کے وقت ہے۔ اور یہاں دلیل "اصل طہارت" موجود ہے جو استعمال کی اجازت دیتی ہے۔ (نظام)

والله سبحانه الموفق والمعین. وبه نستعین في کل حین. وصلی الله تعالیٰ علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآله وصحبهٖ أجمعین وعلینا معهم برحمتك یا أرحم الراحمین. آمین آمین إله الحق آمین.

والله تعالیٰ أعلم. وعلمه أتم. وحکمه أحکم.

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁
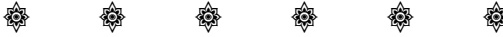
(۱) البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ج:۱، ص:۸۶/ ایضًا ج:۱، ص:۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ بیروت۔